جلد ۹۲ اکتوبر ۱۹۷۹ء عدد ۲

ماہنامہ

ترجمان القرآن

ابوالاعلیٰ مودودی

ادارۂ ترجمان القرآن اچھرہ لاہور

اعلان

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ کی زندگی میں ملک اور بیرون ملک سے بے شمار لوگ ان سے زندگی کے مختلف مسائل میں خط وکتابت کے ذریعے سے مسائل پوچھتے اور مشورے لیتے تھے۔ مرحوم کی بیماری کے زمانہ میں ہی یہ کام مرحوم کے معاون خصوصی ملک غلام علی صاحب ہی انجام دیتے تھے، مرحوم صرف نگرانی اور سرپرستی فرماتے تھے۔

ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ یہ سلسلہ جاری رکھا جائے۔ چنانچہ ملک غلام علی صاحب یہ سلسلہ جاری رکھیں گے۔

لہٰذا ادارہ ترجمان ہی کے پتہ پر موصوف کے نام خطوط لکھے جائیں۔

(ناظم ادارہ ترجمان القرآن)

ترجمان القرآن لاہور

فہرست مضامین

عدد ۲	اکتوبر ۱۹۷۹ء مطابق ذیقعدہ ۱۳۹۹ھ	جلد ۹۲

ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور

۵۔ اے ذیلدار پارک، اچھرہ۔ لاہور

فون نمبر ——— ۴۱۱۰۱۶ ——— ۴۱۰۳۱۶

زر سالانہ بیس روپے۔ فی پرچہ ۲/- روپے

ابوالخیر مودودی پبلشر نے پاکستان پرنٹنگ ورکس لاہور میں چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ لاہور سے شائع کیا

پرنٹر: محمد شفیع

جزاکم اللہ جمیعاً

حضرت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ

کی وفات حسرت آیات پر ملک اور بیرونِ ملک سے اظہارِ تعزیت کے لیے

خطوط، تار اور پیغامات کی اتنی کثرت ہے کہ فرداً فرداً ان سب کا جواب

دینا ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا اس تحریر کے ذریعہ سے میں اپنی اور اپنے بچوں کی

طرف سے ان سب بزرگوں، بھائیوں، بہنوں اور عزیزوں کا شکریہ ادا کرتی

ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے اور مولانا مرحوم کو جنت الفردوس

میں درجاتِ عالیہ پر فائز فرمائے۔ آمین۔

بیگم سید ابوالاعلیٰ مودودی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

وہ ایک شخص تھا، جس کے ساتھ ۳۸ سال گذر گئے!

کتنا سخت لمحہ ہے کہ اس شخص کے جسد کی امانت کو مٹی کے حوالے کرنے کے بعد میں اسی کی جدائی کا ذکر چھیڑ رہا ہوں۔ اور ترجمان القرآن کے لیے یہ میری پہلی تحریر اس نئی صورتِ حالات میں لکھ رہا ہوں کہ ترجمان القرآن کی ادارت کرنے اور اس کے ذریعے دُور دراز تک ایمان و حکمت کا نور پھیلانے والی ہستی نگاہوں سے اوجھل ہو چکی ہے۔ اُس کی کرسی خالی ہے، وہ اپنے تاریخی کمرے میں بھی موجود نہیں، اور اہلِ خانہ کی مجلس میں بھی شریک نہیں ہے۔ اس کی کتابیں جیسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اُسے ڈھونڈ رہی ہیں، اس کی میز پر رکھے ہوئے کاغذ اس کا انتظار کر رہے ہیں اور اس کا قلم سوچتا ہے کہ وہ کب آکر اُسے اپنے ہاتھ میں لے گا۔ اُس کی رہنمائی و شفقت کے سایہ میں کام کرتے ہوئے بڑی قوت محسوس ہوتی تھی۔ قلم بے باکی سے چلتا تھا اور اربابِ فساد و عناد کے بڑے بڑے محاذ بے وقعت معلوم ہوتے تھے۔ آج قلب و نظر کی وہ کیفیتیں جوں کی توں کیسے برقرار رہ سکتی ہیں۔ لیکن اصل سرچشمۂ قوت چونکہ خداوندِ کون و مکان ہے، اس وجہ سے مجھے یقین ہے کہ موجودہ مرحلۂ سخت کے گزرتے ہی وہ پہلے سے بھی زیادہ قوت و اعتماد عطا کرے گا۔ وہ خود جانتا ہے کہ مولینا مودودی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد اس کے ساتھ مل کر اقامتِ دین کی جدوجہد کرنے والے رفیقوں کو نئے مراحل میں پہلے سے زیادہ عزم و ہمت کی ضرورت ہوگی۔

میری پہلی ملاقات مولینائے مغفور سے ۱۹۳۷ء میں بمقام دارالاسلام پٹھانکوٹ ہوئی تھی اور

آخری ملاقات بفیلو میں جون ۱۹۷۹ء کو۔

میں اُن چند خوش قسمت لوگوں میں سے ایک ہوں جس نے پاکستان سے ۱۴ ہزار میل دُور، اُس سرزمین پر مولینا سے مغفور سے دل خوش کُن ملاقات کی، جہاں مولانا کے لیے آخری سانس لینا مقدر تھا۔ وہاں اُن کی عام صحت کو بہتر، چہرے کو شاداب اور گفتگو کو تر و تازہ پایا۔ اُس علاج کی افادیت بھی معلوم ہوئی جس کا آغاز چند ہی روز پہلے ہوا تھا۔ واپس پہنچا تو جلد سے جلد قارئینِ ترجمان القرآن اور رفقاء و احباب تک مولینا کی صحت کی اچھی خبر پہنچائی۔ بعد کی اطلاعات سے پتہ چلا کہ حالت مزید بہتر ہو رہی ہے۔ یہاں تک کہ ستمبر میں اُن کی واپسی کا پروگرام بننے لگا۔ مجھے کچھ اس وجہ سے بھی اُمید صحت زیادہ ہی تھی کہ میں یہ سمجھتا تھا کہ اللہ تعالیٰ شاید سیرتِ سرورِ عالم کی تیسری جلد کی تکمیل سے پہلے اپنے خستہ بدن بندے کو راحت کدۂ ابدیت کی طرف جلنے نہیں دے گا۔

پھر جس دن مولینا مودودی رحمۃ اللہ علیہ کے آپریشن کی خبر آئی تو تشویش تو ہوئی، مگر دل کی اُمیدیں جوں کی توں برقرار رہیں۔ اس اطلاع کے ملنے کے بعد مولانا ئے مغفور کے گھر میں ختم قرآن اور ذکر و دُعا کا ایسا سلسلہ چلا کہ ۲۲ ستمبر کی خبرِ جگر اثر کے آنے تک برقرار رہا۔ سیکڑوں خواتین ہر روز جمع ہوتیں صبح سے رات گئے تک آتی جاتی رہتیں، اور ہر گھڑی ذکر و دُعا کا دَور چلتا رہتا۔[۱] متفرق طور پر مختلف محلوں کے کئی گھروں میں بھی یہی صورت تھی۔ ظاہر ہے کہ دوسرے شہروں اور قصبوں کے علاوہ دُور دراز کے دیہات سے بھی دُعاؤں کے ہجوم عرشِ الٰہی تک اُٹھتے۔ مولانا کے اپنے گھر کے علاوہ اچھرہ اور لاہور کے دوسرے حصّوں میں مہمانِ مودودی نے بکرے ذبح کرا کے صدقے میں دیے۔ گویا ذکر، دعا اور صدقہ

---

[۱] اس زمانے میں مَیں بھی دن دن بھر مولینا کے صاحبزادوں کے ساتھ عالمِ اضطراب میں بیٹھا رہتا تھا۔ خاص طور پر مجھے شدت سے یہ احساس تھا کہ ان بچوں کی والدہ محترمہ بھی یہاں نہیں ہیں اور کوئی بزرگ رشتہ دار بھی گھر میں موجود نہیں ہیں۔ پریشانی کی پہلی خبر سُنتے ہی قلم ہاتھ سے رکھا اور پھر میں نہ ترجمان القرآن کی تیارکا بیان دیکھ سکا اور نہ اشارات وغیرہ لکھ سکا۔ ورنہ پچھلے دو پرچوں کے تاخیر سے چھپنے کا مجھے سخت احساس تھا اور چاہتا تھا کہ اکتوبر کا شمارہ جلد سے جلد آجائے۔ ضمناً اس تاخیر کے لیے اپنے سارے قارئین سے معذرت خواہ ہوں۔

اتفاق کی ایک خاموش تحریک تھی جو کسی کی ہدایت کے بغیر چل رہی تھی۔ اِن مخلصانہ و دردمندانہ کوششوں سے خدا کی اٹل تقدیر کو بدلا نہیں جا سکتا تھا اور خدائی اجل مسمی کو نہ ایک پل آگے کیا جا سکتا نہ پیچھے ہٹانا کسی کے بس میں تھا۔ ہونے والا سانحہ اپنے وقت مقررہ پر ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ مگر ذکر و دُعا کی یہ مساعی ضائع تو جا نہیں سکتیں، اُن پر تو وعدہ الٰہی کے مطابق برگ و بار آنے ہیں۔ ظاہر کے لحاظ سے دیکھیں تو اوّل تو جس کسی نے ذکر و دُعا کے اس قافلے کا ساتھ دیا اُس نے اپنی عاقبت کے لیے کمائی کر لی۔ پھر قرآن پڑھ پڑھ کر اور صدقے دے دے کر دعائیں کرنے والوں کی مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ سے محض خدا کے لیے پُرخلوص محبت ایک گواہی کی حیثیت سے مولانا کے حق میں ریکارڈ ہو گئی۔ تیسری برکت یہ ہوئی کہ یہ سلسلہ بھی غلبۂ اسلام کے جذبے کو بڑھانے کا ایک ذریعہ بن گیا۔

اسی طرح اوّلاً جنازے، بعدہٗ تعزیتی اجلاسوں اور قرآن خوانی کی مجالس کا جو سلسلہ جا بجا شروع ہے، وہ بھی جذبۂ اسلامی کی آبیاری کر رہا ہے۔

---

۳۸ سالہ دور میں ہم نے نہ صرف دین کا اصل مدعا مولانا سے سمجھا، بلکہ اُن سے لفظاً لفظاً قرآن و حدیث کے درس سُنے۔ بلا جھجک اُن سے ہر طرح کے سوالات کیے۔ اُن سے بحثیں کیں، دماغ میں اپنے دَور کے جتنے اثرات بھرے ہوئے تھے اُن کے سامنے اُگل دیے، انہوں نے جس محبت، جس کشادہ دلی اور جس حوصلہ افزائی کے ساتھ ہمارا قلبی و ذہنی تزکیہ کیا، وہ اُن کی طرف سے ہم پر اتنا بڑا احسان ہے کہ اس کا جزا یا کوئی صلہ دینا سوائے دعاؤں کے ہمارے بس میں نہیں ہے۔ پھر ملکی اور بین الاقوامی سیاسیات، معاشیات، نظریہ ارتقا، مارکس ازم، جمہوریت، فسطائیت، ہندو امپریلزم وغیرہ وسیع مباحث میں انہوں نے جس طرح ذہنوں کی آبیاری کی اور دُنیا کے ہر فتنے کے بالمقابل جس خوبصورتی سے رموزِ دین کو ہم پر آشکار کیا، اس کا بیان کیسے ممکن ہے۔ کہنا یہ چاہیے کہ جیسے ۳۸ برس کا پورا زمانہ ہم نے ایک کالج یا یونیورسٹی میں گذارا جس میں ایک ہی شخص تمام مضامین کا لیکچرار اور پروفیسر تھا جس کا اصل مرکزی موضوع نظامِ اسلامی کا احیاء تھا۔

میں سچ کہتا ہوں کہ اگر میں اس سعادت سے محروم رہتا تو ایک دیہاتی نوجوان کی حیثیت میں

زیادہ سے زیادہ کلرکی یا مدرسی یا ایڈیٹری کا کوئی چھوٹا موٹا کام کرنے سے آگے نہ بڑھ سکتا۔ دوسری طرف اخلاقی حیثیت سے ماحول کا تیز و تند دھارا نہ جانے مجھے کن گردابوں میں جا پھینکتا۔ میں اب جو کچھ ہوں — اگرچہ اب بھی خدا کا ایک کوتاہ کار بندہ ہوں — میرے اندر جو بھی خوبی ہے اس کا بڑا حصہ اس مردِ حق کی وجہ سے ہے جس کے قرب کی سعادت میرے لیے مقدر ہوگئی۔

اس ۳۸ سال کی مدت میں میں نے بھی اور بے شمار دوسرے رفقائے مقصد نے بھی اس شخص کی ذاتی زندگیوں کے ہر پہلو کو بھی دیکھا اور اس کی دعوتی اور سیاسی اور علمی سرگرمیوں کو بھی خوب اچھی طرح چھانٹا پرکھا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا اور رسولؐ کے لیے گہری محبت کا جو رجحان، خدا کے دین کے لیے جو بے پایاں جذبہ، برصغیر کے مسلمانوں کے لیے جو گہرا تفکر، پاکستان کے لیے جس طرح کا ولولۂ بے تاب اور پورے عالمِ اسلام کے مسائل کے لیے اس کے اندر جو مخلصانہ اضطراب کارفرما دیکھا ہے، اس کی کوئی دوسری مثال نہ ملے گی۔ پھر ایک شخص نہ کبر و ریا سے کام لیتا ہے، نہ انکسار بے جا کا مظاہرہ کرتا ہے، نہ دین میں مداہنت کی اور نہ سیاست میں خیانت کی روش اختیار کرتا ہے، دعوت ماننے والوں کو اپنے بھائیوں اور بیٹوں کی طرح محبت و شفقت سے نوازا، اور گالیاں دینے والوں کو نظر انداز کیا۔ رفقاء میں سے کسی نے اس کی رویّے سے اتفاق کیا تو وہ خوش اور اختلاف کیا، بلکہ تنقید کی تو وہ احسان مند۔ نہ مخالفوں کا تذکرہ کبھی بھپر کر کیا، نہ احوالِ ناسازگار کا سامنا کرتے ہوئے گھبراہٹ دکھائی، نہ کبھی وہ غصّے سے بے قابو ہو کر کسی پر برسا، نہ طوفانِ عناد و فساد میں گھر کر اس نے کبھی مایوسانہ نقطۂ نظر سے کام لیا۔ زبان ہمیشہ معیاری اور پاکیزہ رہی، لہجہ ہمیشہ نرم و لطیف رہا۔ اس کے سامنے اللہ بخش تڑپ گیا، ڈاکٹر نذیر کی شہادت کی خبر اس کے کانوں تک پہنچی۔ تحریک ۱۹۷۷ء میں محبانِ دین گولیوں کا نشانہ بنے اور پولیس کی لاٹھیوں نے علماء کی بوٹیاں اڑا دیں، اور اس کے چہیتے نوجوان قلعے اور سی آئی اے کے دفتروں اور تھانوں میں غیر انسانی تشدد کا تختۂ مشق بنے تو ایسے عالم میں بھی اس کا مشہور سلوگن نہ بدلا — "صبر اور حکمت"!

معاملہ محض ایک فرد کے ذاتی غم کا نہیں ہے۔ مولانا کے غمِ جدائی کی وسیع جاگیر کے حصہ دار بے شمار ہیں، مگر سب سے پہلے مجھے جس حلقۂ غم زدگان کا احساس ہوتا ہے۔ وہ مرحوم و مغفور کے گھر کے لوگ ہیں۔

ہماری وہ بڑی بہن جو مولینا کی رفیقۂ مقصد بھی رہی ہیں، آج بیوہ ہوگئی ہیں۔ انہوں نے اگرچہ ضبطِ گریہ کی ایک اعلیٰ مثال قائم کی ہے۔ مگر یقیناً مولینائے مغفور کی وفات نے اُن کی شخصیت کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ وہ پچھلے چند برس سے خدمتِ دین اور درسِ قرآن کے ساتھ ساتھ اپنے آپ کو مولینا کی تیمارداری، پابندیٔ وقت کے ساتھ اُن کے لیے غذا اور دوا کے اہتمام اور اُن کی خبرگیری اور خدمت میں لگی رہتی تھیں، اور امریکہ میں مولینا کے مرض الموت کے دوران جو حالیہ سخت دورِ آزمائش اُنہوں نے گذارا ہے۔ اس کے بعد مولینا کی جدائی نے اُن سے گھریلو سرگرمیوں کا مرکز چھین لیا ہے۔ خدا اُن کی سعادت مند اولاد کو سلامت رکھے، مگر ایک عظیم شخصیت کی رفاقت و خدمت کا خلاء کوئی بھی پُر نہیں کر سکتا۔ اسی طرح مولینا کے نہایت ہی لاڈلے اور حساس بیٹے اور بیٹیاں ہیں، اور مجھے اندازہ ہے کہ ظاہری صبر کے باوجود اُن کے دل اندر سے کس طرح کٹ رہے ہیں۔ ہم سب اُن کے دُکھ درد میں شریک ہیں۔ ہم اس پورے گھر کا احترام کرتے ہیں۔ ہم مولینا کے اہلِ خانہ سے ہر ممکن تعاون کرتے رہیں گے اور اُن کو یہ محسوس نہ ہونے دیں گے کہ بس ہمارا تعلق صرف مولینا مودودی رحمۃ اللہ علیہ سے تھا، اور اب مولینا مودودی کے گھر والوں سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ میں تو کہتا ہوں کہ مولینا مغفور کے ملازموں اور خادموں کا بھی ہمیں لحاظ ہے۔

سو میں اپنی طرف سے بھی اور سب کی طرف سے بھی اس سوگوار خاندان کے ایک ایک فرد سے سچی ہمدردی کا اظہار کرتا ہوں، اور اُن سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ ہم سے پوری بے تکلفی کے ساتھ خدمت و تعاون طلب کرتے رہیں۔ انشاء اللہ ہم تمام صحیح اور جائز اُمور میں اُن کا ساتھ دیں گے۔ انہیں کبھی تنہا نہیں چھوڑیں گے۔

اس موقع پر میں یہ بھی کہوں گا کہ بیگم صاحبہ اور مولینا کے صاحبزادے اور صاحبزادیاں زیادہ تر دین سے وابستہ اور تحریکِ اسلامی سے متاثر ہیں۔ مگر اب مولینا کی وفات کا غم لگنے پر اُن کے پگھلے ہوئے دلوں کو میں مائل کرنا چاہتا ہوں کہ وہ سب کے سب اب پوری سرگرمی سے اقامتِ دین کی جدوجہد میں شریک ہوں اور مولینا نے جس کام میں ساری عمر اپنی ہر قوت کو خرچ کیا، اُن کے اخلاف بھی پوری یکسوئی سے اسی کو سرمایۂ دُنیا و آخرت بنالیں۔ اس طرح وہ ایک وسیع برادری میں عزت کا بلند مقام پالیں گے۔ یہ بلند مقام ان کا ہر لمحے منتظر ہے۔ دولت اور کاروبار اور عہدے اور شہرت اور سامان آسائش و آرائش وہ چیزیں نہیں

ہیں جن کے لیے مولینا مودودی کا خاندان سرگرداں ہو۔ آپ دُنیا سے بے نیاز ہو کر خدا کے دین کے پیچھے چلنے کا فیصلہ کرلیں۔ دُنیا اپنے سارے مادی اسباب و وسائل لے کر آپ کے پیچھے چلے گی ـــــ اس طرح چلے گی جیسے خدم و حشم چلتے ہیں۔ آپ سب اُن بڑوں کو اپنے بزرگ اور ان چھوٹوں کو اپنے بھائی اور عزیز سمجھیں جن سے مولینا مودودی نے محبت کی اور جن کے درمیان اپنی عمر گذاری اور جن کو اعتماد و احترام کا مستحق سمجھا۔ مولینا مودودی مغفور صاحب کا عمر بھر کا رویہ (جو آخر دم تک رہا) آپ کے لیے بجائے خود ایک وصیت ہے، اُن کا سارا لٹریچر ایک وصیت ہے۔ ان کا سلسلۂ روابط ایک وصیت ہے۔ ان کی دعوتِ دین اور خدمتِ دین ایک وصیت ہے۔ اس وصیت کا جزء بہ جزء پورا کرنا آپ کی اوّلین ذمہ داری ہے۔ اس کے بغیر تو قیامت کے دن اپنے معزز نگر اصول و مقصد رکھنے والے باپ کے سامنے حق فرزندیٔ قرابت پورا کر کے دکھانا مشکل ہو جائے گا۔ آپ کے سامنے طرزِ لی یہ ہونا چاہیے کہ آنچہ پدر نتواند، پسر تمام کند۔ مرحوم و مغفور نے اپنا کام جس مقام پر پہنچا دیا ہے، اُسے اس سے آگے لے کے چلنے والوں میں آپ پیش پیش ہوں۔ ہمارے لیے کیا ہی مقامِ مسرت ہو گا کہ آپ نیچے کی مختلف ذمہ داریوں سے گذر کر .... زیادہ اہم مناصب تک پہنچیں۔ آپ اگر اپنا فرض صحیح طور پر ادا کرنے لگیں تو مولینا مودودی کی قائم کردہ جماعت کی لیڈر شپ کی صف آپ کے بغیر مکمل نہ ہو سکے گی۔ آپ مصر کے استاذ حسن البنا شہید کے معزز صاحبزادے سیف الاسلام کی مثال بنیں، اور جب کبھی آپ عالمِ اسلام یا دنیائے شرق و غرب میں کہیں بھی جائیں تو خواص و عوام یہ سن کر ٹوٹ پڑیں کہ اسلام کے عظیم مفکر مولینا مودودی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے تشریف لاتے ہیں۔ آپ ادنیٰ مقاصد کی سطح سے بلند ہو کر اپنے تاریخ ساز والد کے خالی کردہ منصب تک پہنچنے کے مستحق بنیں۔ وما ذٰلک علی اللہ بعزیز۔

بات کچھ اور آگے تک جاتی ہے۔

مولینا مغفور محض کمانے کھانے اور انفرادی زندگی گذارنے والے ایک شخص نہ تھے بلکہ انہوں نے ایک عظیم و مقدس مشن کے لیے وسیع رابطوں کی زندگی گذاری ہے۔ اُن کی حقیقی میراث چند روپے یا چند مربع گز زمین نہیں، اُن کی لامحدود میراث وہ عقیدہ و نصب العین ہے جس کے لیے انہوں نے قوت کی ایک ایک رمق خرچ کر دی۔ اُن کا سوچنا، اُن کا اُٹھنا بیٹھنا، اُن کا (باقی بر صفحہ ۳۵)

اجماعِ اُمّت اور قانون سازی میں اس کی حیثیت

از طیب شاہین لودھی

(۲)

اجماعِ سکوتی کسی نئے مسئلے میں ایک مجتہد اپنی رائے کا اظہار کرتا ہے اور رائے پھیل کر ہم عصر اہلِ علم میں مشتہر ہو جاتی ہے۔ اہلِ علم کی طرف سے اس قول کی تائید یا مخالفت میں کسی رائے کا اظہار نہیں کیا جاتا۔ آیا اس سکوت کو اجماعِ تصدیق کیا جائے گا یا عدمِ اجماع؟

امام ابو سلیمان داؤد ظاہریؒ، ان کے بیٹے علامہ ابو بکر محمد بن داؤد ظاہریؒ، علامہ المرتضیٰؒ اس سکوت کو اجماع تسلیم نہیں کرتے۔ بعض اہلِ علم نے اس مسلک کو امام شافعیؒ کی طرف منسوب کیا ہے اور یہاں تک کہا ہے کہ یہ امام شافعیؒ کا آخری قول ہے۔ چنانچہ امام غزالیؒ، امام رازیؒ اور علامہ آمدیؒ نے بھی اس رائے کو امام شافعیؒ کا منصوص قولِ جدید قرار دیا ہے[۱]۔ علامہ ابن قیمؒ نے بھی اسے "اعلام الموقعین" میں قولِ جدید کے طور پر نقل کیا ہے[۲]۔ امام جوینی اسے شافعیہ کا مذہب قرار دیتے ہیں۔ رسالہ "المنار" کے مصنف اور اس کے شارح نے بھی اس مذہب کو امام شافعیؒ کی طرف منسوب کیا ہے۔ لیکن شیخ ابو اسحاق شیرازی شافعی اصولِ فقہ پر اپنی مشہور کتاب (اللمع فی اصول الفقہ) میں لکھتے ہیں: "فالمذہب انّ ذالک حجۃ واجماع بعد انقراض العصر[۳]" (اس سکوت کے بارے میں شوافع کا مذہب

[۱] ارشاد الفحول للشوکانیؒ ص ۸۴

[۲]

[۳] اللمع فی اصول الفقہ لابی اسحاق الشیرازی طبع البابی الحلبی ۱۹۵۰ء ص ۴۹

یہ ہے کہ انقراضِ عصر کے بعد یہ حجت اور اجماع ہے۔ شافعیہ میں سے ابن ابی ہریرۃؒ اسی میں تفصیل کے قائل ہیں۔ استاد ابو اسحاقؒ کہتے ہیں کہ ہمارے اصحاب میں اس "سکوت" کو اجماع کا نام دینے پر اختلاف ہے ورنہ اس پر عمل کرنے کے وجوب پر سب متفق ہیں۔[1]

حنفیہ اس سکوت کو "اجماع ضروری" قرار دیتے ہیں کیونکہ قدرت و اختیار رکھتے ہوئے منکر پر سکوت اختیار کرنا فسق ہے۔ اہلِ علم و عدل حضرات سے اس کا صدور ممکن نہیں اس لیے اسے اجماع ماننا پڑے گا۔ لہٰذا کسی مسئلہ کے رونما ہونے کے بعد اگر اہل علم سکوت اختیار کرتے ہیں تو اس سکوت کو "تسلیم" تصور کیا جائے گا۔[2]

وہ فقہاء جو اجماع سکوتی کو حجت تسلیم کرتے ہیں وہ اس کے انعقاد کے لیے مندرجہ ذیل شرائط عائد کرتے ہیں ان میں سے اکثر علامہ خضری مرحوم نے "التحریر" کے شارح کے حوالے سے اپنی کتاب "اصول الفقہ" میں درج کی ہیں۔

۱۔ سکوت کو اجماع تسلیم کرنے سے پہلے یہ بات یقینی ہو، یہ معلوم ہو جائے کہ اس مجتہد کی رائے سب تک پہنچ گئی ہے اور کسی سے انکار ثابت نہ ہو۔

۲۔ سکوت علامات کراہت و رضا سے خالی ہو۔

۳۔ مسئلہ پر نظر و تامل کے لیے کافی مہلت دی گئی ہو اور اس مہلت کے دوران کسی کا اعتراض یا اختلاف ظاہر نہ ہوا ہو۔

۴۔ جس مسئلہ پر سکوت ہے وہ اس سے پہلے اختلافی مسئلہ نہ ہو ورنہ یہ سکوت اس بات کی دلیل ہوگا کہ اس مسئلہ پر اس سے پہلے بہت کچھ اختلاف رائے کا اظہار ہو چکا ہے۔

۵۔ یہ رائے اجتہادی مسئلے میں ہو اگر کسی حکم ثابت کے خلاف رائے کا اظہار کرتا ہے تو دیگر اہلِ علم کے سکوت کو اس اجتہادی رائے کے موافق تسلیم نہ کیا جائے گا۔

یہ ہیں وہ شرائط جو اجماعِ سکوتی کے قائلین خصوصاً فقہائے حنفیہ عائد کرتے ہیں۔ لیکن سوال

[1] ارشاد الفحول للشوکانی ص ۸۴

[2] حاشیہ نور الانوار ص ۲۲۳ - حاشیہ ۱۱

پیدا ہوتا ہے کہ ان تمام شرائط کا پورا ہونا اور پھر ان کے موجود ہونے کا علم قطعی ممکن بھی ہے؟ خصوصاً جبکہ آئمہ فحول صحابہ کرام کے اجماع کے بعد "اجماعِ قولی" تک کے وجود کو ممکن العلم نہیں کرتے کیونکہ مشرق سے لے کر مغرب تک پھیلے ہوئے ممالک اسلامیہ میں "اجماعِ قولی" تک کا انعقاد ممکن نہیں۔ اجماعِ سکوتی اپنی تمام شرائط سمیت کیونکر ممکن العلم ہو سکتا ہے۔

بعض علمائے اصول اجماعِ سکوتی کو حجتِ ظنی کے طور پر تسلیم کرتے ہیں۔ علامہ ابوالحسن آمدی اسی طرف گئے ہیں[۱]۔

بعض اہلِ علم نے اجماعِ سکوتی کی حجیت کے لیے عصرِ صحابہ کی شرط عائد کی ہے کیونکہ عصرِ صحابہ میں اختلاف ممکن العلم ہے۔ نیز صحابہ کرام کے متعلق اس چیز کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کسی منکر پر سکوت اختیار کر سکتے ہیں[۲]۔

اجماعِ سکوتی کے مخالفین کے دلائل وہ اہل علم جو اجماعِ سکوتی کو کسی قسم کا اجماع تسلیم کرنے سے انکار کرتے وہ اپنے موقف کے حق میں مندرجہ ذیل دلائل دیتے ہیں۔

۱۔ جب کسی نئے پیش آنے والے مسئلے پر چند اہلِ علم کوئی حکم لگاتے ہیں تو ان کی رائے پر دیگر اہلِ علم کے اختلاف کے متعلق عدمِ علم سے عدمِ اختلاف لازم نہیں آتا۔

۲۔ کسی مفتی کا وہی فتویٰ تسلیم کیا جاتا ہے جو قولِ صریح کے ساتھ ہو جس میں کسی قسم کا احتمال نہ پایا جاتا ہو۔ لیکن سکوت میں تردد کا احتمال پایا جاتا ہے۔

۳۔ ممکن ہے باطن میں کوئی ایسا مانع موجود ہو جس کی بنا پر مفتی اظہار رائے نہیں کر پاتا۔ بسا اوقات اس کے سکوت کے باوجود عدمِ رضا ظاہر ہو جاتی ہے۔

۴۔ بعض دفعہ ایک مجتہد اظہار رائے کے نتائج و عواقب سے خائف ہو کر اظہار رائے سے احتراز کرتا ہے۔ اس سلسلے میں "نور الانوار" کے فاضل مصنف نے حضرت عبداللہ بن عباس سے ایک روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے "عول" کے مسئلے میں اختلاف کا اظہار کیا۔

---

[۱] اصول الفقہ۔ علامہ خضری بک ص ۳۰۱

[۲] ارشاد الفحول ص ۸۵

تو اُن سے پوچھا گیا کہ انہوں نے حضرت عمرؓ کے سامنے اظہار اختلاف کیوں نہیں کیا انہوں نے جواب دیا "عمرؓ کے کوڑے کے ڈر سے"۔

۵۔ بسا اوقات بعض اہل علم "كُلُّ مجتهدٍ مُصيب" کے اصول پر اعتقاد رکھنے کی بنا پر اجتہادی مسائل میں اختلاف رکھنے کے باوجود اظہارِ اختلاف نہیں کرتے۔

۶۔ بعض دفعہ اہلِ علم سے اُن سے عدمِ فرصت کی بناء پر اختلاف رائے ظاہر نہیں ہوتا یا کسی عارض کی بناء پر وہ اظہار رائے میں عجلت کو خلافِ مصلحت سمجھتے ہیں اور اس عارض کے زائل ہونے سے پہلے ہی فوت ہو جاتے ہیں۔

۷۔ بسا اوقات ایک مجتہد کسی مسئلہ میں کسی تردد کی بنا پر توقف کرتا ہے اور رائے کا اظہار نہیں کرتا۔

سکوت کو اجماع تسلیم کرنے کے لیے جو شرائط عائد کی گئی ہیں وہ زیادہ تر نظری ہیں۔ ماضی میں عملاً ان شرائط کا پورا ہونا ممکن نہ تھا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ ابلاغ کی سہولتوں کا فقدان ہے۔ اِن حالات میں امام شافعیؒ اور امام احمد رحمہما اللہ کی آراء کے مطابق اگر صحابہ کرام کے بعد اجماع قولی کا انعقاد ناممکن العلم ہے تو ایک مجتہد یا چند مجتہدین کے اجتہاد کے خلاف کسی رائے سے متعلق عدمِ علم کو کس طرح اجماع کے نام سے موسوم کیا جا سکتا ہے جب تک ہمیں حتمی طور پر یہ یقین نہ ہو کہ اس اجتہاد کی تمام اہل علم اور اہل حل وعقد تک پہنچ گئی ہے اور واضح قرائن سے ہمیں یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اہلِ علم متذکرہ رائے سے اتفاق رکھتے ہیں۔ اس وقت تک اُسے اجماع نہیں کہا جا سکتا۔ یوں تو فقہی اور قانونی جوابات میں ہر فریق اپنی رائے پر اجماع کا دعویٰ کرتا ہے۔ یہی وہ دعویٰ اجماع ہے جس کی جنابِ امام احمدؒ نے تکذیب کی ہے۔

عصرِ صحابہ میں اجماعِ سکوتی عصرِ صحابہ میں اجماع سکوتی کو اس کے ممکن العلم ہونے کی بنا پر حجت قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔

اوّل:۔ خلفائے راشدین کے زمانے میں کسی نئے پیش آنے والے مسئلہ پر اگر مجلس شوریٰ متفق طور پر کوئی فیصلہ کرتی ہے۔ اس پر شوریٰ سے باہر تمام صحابہ خواہ کہیں ہوں اگر سکوت اختیار کر لیں تو یہ اجماع حجت ہوگا۔ دراصل یہی وہ اجماع ہے جسے اجماع صحابہ کا نام دیا گیا ہے۔ اس کے حجت ہونے

پر تمام اہلِ علم متفق ہیں۔ امام ابن تیمیہؒ خلفائے راشدین کے اس فتوے یا فیصلے کو بھی اجماع کا درجہ دیتے ہیں جس کے متعلق معلوم ہو کہ صحابہ کرام میں سے کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی اور سکوت اختیار کیا اس قسم کا سکوت بھی اجماع اور حجت ہو گا۔ چنانچہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں

"خلفائے راشدین کی وہ سنت جو انہوں نے مسلمانوں کے لیے مقرر کی اور صحابہ کرامؓ میں سے کسی کی مخالفت منقول نہ ہو تو یہ سنت بلا ریب حجت بلکہ اجماع ہے"۔[1]

ثانی:۔ اگر کسی صحابی کی رائے یا فتویٰ صحابہ کرام میں مشتہر ہوئے اور صحابہ کرام میں سے کسی نے مخالفت نہ کی ہو تو جمہور فقہاء کا مذہب ہے کہ یہ حجت اور اجماع ہے، امام احمد اور ان کے اصحاب کہتے ہیں کہ استقرار مذاہب سے قبل یہ اجماع ہو گا۔ بعض حنابلہ نے اس میں اختلاف نقل کیا ہے[2] فقہاء کے ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ یہ قول حجت ہے مگر اس پر اجماع کا اطلاق نہیں ہو گا۔ متکلمین اور فقہائے متاخرین میں سے بعض حضرات کی رائے ہے کہ یہ قول نہ حجت ہے نہ اجماع۔

اگر صحابی کی رائے دیگر صحابہ کرام میں مشتہر نہ ہوئی ہو تو اکثر فقہاء کے نزدیک یہ حجت ہے مگر اجماع نہیں۔ جمہور حنفیہ کا یہی مسلک ہے۔ امام محمدؒ بن حسن نے اسے امام ابو حنیفہؒ سے منصوص قرار دیا ہے۔ امام مالک اور ان کے اصحاب کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام شافعیؒ بھی اسے حجت قرار دیتے ہیں[3] لیکن شیخ ابو اسحاق شیرازیؒ شافعی "اللمع" میں رقمطراز ہیں۔

"امام شافعیؒ اپنے قول جدید میں اسے حجت تسلیم نہیں کرتے اور یہی صحیح ہے"۔[4]

امام احمد بن حنبلؒ اور ان کے جمہور اصحاب سے یہی منصوص ہے۔ امام اسحاق بن راہویہؒ اور امام ابو عبیدہ بھی یہی رائے ہے[5] معتزلہ میں سے ابو علی جبائی کا یہی مذہب ہے[6]

---

[1] فتاویٰ ابن تیمیہؒ جلد ۲۰ ص ۵۷۳

[2] القواعد والفوائد الاصولیۃ۔ علی بن عباس بعلی المعروف بن ابن اللحام بتحقیق احمد محمد شاکر مطبع السنۃ المحمدیہ ۱۹۵۶ء ص ۲۹۵

[3] اعلام الموقعین لابن القیمؒ طبع اشرف المطابع دہلی ۱۳۱۳ھ جلد ۲ ص ۲۱۷ [4] اللمع

[5] اعلام الموقعین طبع دہلی جلد ۲ ص ۲۱۷ [6] اللمع ص ۵۲

جدید زمانے میں جبکہ ذرائع ابلاغ کی سہولتوں اور جدید ترین ذرائع نقل وحمل کی بناء پر زمان و مکان کی وسعتیں سمٹ کر رہ گئیں ہیں۔ ان جدید ذرائع ابلاغ کے ذریعے اجماع سکوتی کو اس کی دیگر تمام شرائط کو مدنظر رکھتے ہوئے قابلِ عمل بنایا جاسکتا ہے۔ ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ اجماع کے ممکن العلم ہونے کے لحاظ سے آج کے حالات سو ڈیڑھ سو سال پہلے کے حالات سے کہیں بہتر ہیں۔

اہلِ مدینہ کا اجماع فقہائے اسلام کی اکثریت اس طرف گئی ہے کہ اسلامی شہروں میں سے کسی شہر کے فقہا کا کسی مسئلہ پر اکتفا کر لینا نہ تو اجماع کہلائے گا اور نہ وہ حجت ہوگا۔ البتہ بعض فقہاء کسی مسئلے پر اہلِ مدینہ کے اتفاق کو اجماع قرار دیتے ہیں۔ فقہائے مالکیہ کا یہی مسلک ہے۔ مالکیہ میں سے بعض علماء اجماعِ امت کو ایک مستقل اور اہلِ مدینہ کے اجماع کو ایک علیٰحدہ دلیل مانتے ہیں۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جس چیز پر اہلِ مدینہ کا اجماع ہو اس کے خلاف کوئی قول معتبر نہیں۔ اُن کے نزدیک اہلِ مدینہ کا اجماع ہی دراصل اجماعِ امت ہے۔ یہاں تک کہ انہوں نے تحقیقِ سنت کے لیے اس پر اہلِ مدینہ کے عمل کی شرط عائد کی ہے فقہائے مدینہ کے اجماع کو اس قدر اہمیت دی ہے کہ اگر حدیث اس کے مخالف ہو تو وہ حدیث کی صحت کو تسلیم نہیں کرتے۔

امام مالکؒ کے اس مسلک پر ان کے ہمعصر علماء نے بھی تنقید کی ہے۔ چنانچہ امام لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور اور طویل خط جو انہوں نے امام مالکؒ کی خدمت میں لکھا تھا۔ علامہ ابن قیمؒ نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب "اعلام الموقعین" میں نقل کیا ہے[1]۔ اس اصول پر بہترین تنقید ہے۔ نیز اس خط سے ضمناً یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ علمائے سلف فقہی اختلافات کے اظہار میں ایک دوسرے کے احترام کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے تھے۔ امام شافعیؒ نے امام مالکؒ کے اس اصول پر سخت تنقید کی ہے اور اصحابِ امام مالکؒ کے ساتھ مناظرے بھی کیے۔ فقہی جدلیات میں فقہائے مالکیہؒ اور دیگر فقہاء میں جتنی بحثیں ہوئی ہیں ان میں اہلِ مدینہ کا عمل کسی نہ کسی صورت میں متنازع فیہ رہا ہے۔ واضح رہے کہ اہلِ مدینہ کے اجماع سے امام مالکؒ قرونِ ثلاثہ مفضلہ کا اجماع مراد لیتے ہیں۔ جرجانیؒ کہتے ہیں کہ

---

[1] اعلام الموقعین لابن القیم طبع جدید مصر جلد ۳ ص ۸۳

اس سے مراد فقہائے سبعہ کا اجماع ہے[۱]۔

بعض فقہائے مالکیہ کی رائے ہے کہ اہلِ مدینہ کا اجماع ان امور میں حجت ہے جن کا تعلق نقل وخبر سے ہے۔ البتہ اجتہادی مسائل میں اہلِ مدینہ اور دیگر علماء برابر ہیں۔ قاضی عبدالوہاب مالکی نے اس مسلک کو اپنے شیخ علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ الابہری کی طرف منسوب کیا ہے۔ قاضی عبدالوہاب اہلِ مدینہ کے تعامل کو دو اقسام میں تقسیم کرتے ہیں:۔

اوّل۔ نقلی

ثانی۔ استدلالی۔

اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ قسم اوّل کی حجیت پر تمام فقہائے مالکیہ کا اتفاق ہے۔ قسم ثانی یعنی اجتہادی اور استدلالی مسائل پر فقہائے مالکیہ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ علاّمہ ابو العباس قرطبیؒ کہتے ہیں کہ اُمورِ نقلیہ میں اہلِ مدینہ کے اجماع سے اختلاف کرنا مناسب نہیں اور نہ اس کے خلاف خبر واحد اور دیگر قیاسات وغیرہ قابلِ اعتبار ہیں۔ استدلالی مسائل میں ہمارے جمہور صحابہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر اس کے خلاف حدیث ہے تو حدیث کو اختیار کیا جائے گا۔

بایں ہمہ علمائے محققین اہلِ مدینہ کے تعامل کو یکسر نظر انداز نہیں کرتے بلکہ مختلف مقامات پر اس سے استدلال کرتے ہیں۔ خصوصاً فقہائے حدیث نے فقہی ترجیح کے سلسلے میں اہلِ مدینہ کے مرویات اور ان کے اجتہادات سے بھرپور استدلال کیا ہے۔ علامہ ابن تیمیہؒ نے اہلِ مدینہ کے مذہب کی اہمیت پر ایک مستقل مقالہ سپردِ قلم کیا ہے۔ علامہ ابن تیمیہؒ نے اہلِ مدینہ کے تعامل اور اجماع کو چار مراتب میں تقسیم کیا ہے۔

مرتبۂ اوّل | جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل وخبر کے مقام پر ہے جیسے "مُدّ" اور "صاع"

---

[۱] مدینہ کے فقہائے سبعہ سے عام طور پر سعید بن المسیّب، عروہ بن زبیر، قاسم بن محمد، ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث سلیمان بن یسار، عُبَیدہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود اور خارجہ بن زید مراد ہیں۔ بعض علماء ابوبکر بن حارث اور عُبَیداللہ بن عبداللہ کے بجائے سالم بن عبداللہ بن عمر اور ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کو شمار کرتے ہیں، اور بعض اہل علم جناب سلیمان بن یسار کو بھی فقہائے سبعہ میں شمار نہیں کرتے۔

کی مقدار کا تعین، سبزیوں میں زکوٰۃ کا عدم وجوب اور اذان واقامت وغیرہ اسی قسم کے امور نقلیہ میں اہل مدینہ کا اجماع بالاتفاق حجت ہے۔

مرتبہ ثانی | اہلِ مدینہ کا عمل قدیم یعنی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت سے پہلے کا عمل۔ یہ امام مالکؒ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبل کے ظاہر مذہب ہیں۔

مرتبہ ثالث | اگر کسی مسئلے میں دو متعارض دلیلیں پائی جاتی ہوں اور ان میں تطبیق و ترجیح کی کوئی اور قوی وجہ نہ ہو اور ان میں سے ایک دلیل پر اہل مدینہ کا عمل ہو تو اس صورت میں فقہائے حدیث کا مسلک یہ ہے کہ اس دلیل پر عمل کیا جائے گا جس پر اہلِ مدینہ نے کیا ہے۔

مرتبہ رابع | اگر اہلِ مدینہ کا عمل متاخر ہو تو اُسے اختیار کرنے میں اصحاب امام احمد کی دو آراء ہیں۔

اوّل:- اہلِ مدینہ کے عمل کو ترجیح دی جائے گی۔ یہ علامہ ابوالخطابؒ کی رائے ہے۔

ثانی:- ترجیح نہیں دی جائے گی۔ یہ قاضی ابویعلیٰؒ اور ابوالوفاء ابن عقیل کا قول ہے۔ اجماعِ اہلِ مدینہ کی حجیت کے بارے میں وہی معتدل اور قابلِ عمل راہ ہے جو فقہائے حدیث نے عموماً اور علامہ ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ نے خصوصاً اختیار کی ہے۔

اجماع مرکب | کسی زمانے میں اگر ایک مسئلہ پر اہلِ علم کے صرف دو قول پائے جاتے ہوں تو آیا بعد میں آنے والے علماء کے لیے جائز ہے کہ وہ ان دونوں آراء کے خلاف کسی تیسری رائے کا اظہار کریں، امام شوکانیؒ نے اس بارے میں اہلِ علم کے تین مسلک نقل کیے ہیں۔

اوّل:- پہلا مسلک یہ ہے کہ ان دونوں آراء کے خلاف کسی تیسری رائے کا اظہار مطلقاً منع ہے استاد ابومنصورؒ، الکیاؒ اور نیز شیخ ابواسحاق شیرازیؒ نے "اللمع" میں اسے جمہور کا مسلک قرار دیا ہے۔ الکیاؒ کہتے ہیں کہ یہ صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ علامہ قفال شاشیؒ، ابوالطیب طبری، رویانیؒ اور ابوبکر صیرفیؒ نے اسی کو مذہب قرار دیا ہے۔ بعض متکلمین کے سوا کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی۔ گویا دو آراء پر علماء کا اجماع منعقد ہو گیا۔

ثانی:- دوسرا مذہب یہ ہے کہ ان دو آراء کے خلاف تیسری رائے کا حدوث مطلقاً جائز ہے۔ ابن برہانؒ اور سمعانیؒ نے اس قول کو بعض حنفیہ اور ظاہریہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ قاضی عیاضؒ اور علماء کی ایک جماعت نے اس قول کو امام داؤد ظاہریؒ کی طرف منسوب کیا ہے لیکن (باقی بر صفحہ ۲۷)

زکوٰۃ و صدقات کے اوزان و مقدار

ڈاکٹر محمد صغیر حسن معصومی، صدر شعبہ اسلامیات وڈین فیکلٹی
آف اسلامک لرننگ، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ زکوٰۃ فرض ہے، اور صدقۂ فطر واجب، دیگر صدقات و کفارات واجب و سنت کا حکم رکھتے ہیں، ان کے نصاب اور مقدار میں گرانی یا کسی اور معقول امر کی وجہ سے کمی بیشی نہیں ہو سکتی کہ مقدار کی تعیین کی گئی ہے، قیمت کی نہیں۔

(۱)

پیغمبر اسلام نے سونے چاندی کا نصاب مقرر فرمایا، اسی طرح آپؐ نے جانوروں کی زکوٰۃ کی ادائیگی کا طریقہ بھی واضح کر دیا ہے۔ احادیثِ شریفہ میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال و اقوال محفوظ ہیں، یہ روایتیں صحیحین، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ نیز مسند امام احمد، سنن دارقطنی اور احادیث کے سارے مجموعوں میں موجود ہیں۔ ان کا مفہوم یہ ہے کہ سونے سے زکوٰۃ نکالنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ کم از کم بیس مثقال سونا ہو، اس سے کم پر زکوٰۃ فرض نہیں، زیادہ پر اسی بیس مثقال کے حساب سے زکوٰۃ کی رقم نکالی جائے گی، بیس مثقال سونا میں نصف مثقال سونا یا اس کی قیمت دینا فرض ہے۔

اور چاندی پر زکوٰۃ فرض ہونے کے لیے ضروری ہے کہ دو سو درہم کے برابر ہو، دو سو درہم میں پانچ درہم زکوٰۃ نکالنا فرض ہے۔

چونکہ مثقال اور درہم کا موجودہ مساوی وزن صحیح طور پر بیان نہیں کیا جاتا ہے، اور اردو زبان

میں مسائل کی کتابوں میں جو برابر اوزان بیان کیے گئے ہیں وہ لیسا اوقات غلط ہیں، اس لیے اس مضمون کا مقصد یہ تحقیق کرنا ہے کہ موجودہ زمانے میں مثقال اور درہم کا مساوی وزن کیا ہے؟

اسی طرح ہر فرد کی طرف سے جو صاحبِ نصاب ہو صدقۂ فطر عید الفطر کے دن عید کی نماز سے پہلے ادا کرنا واجب ہے، احادیث نبوی میں تفصیل موجود ہے کہ صدقۂ فطر کی مقدار نصف صاع گیہوں، آٹا، چاول یا اسی قسم کے عمدہ غلے میں سے دینا واجب ہے، اور جَو، کھجور، منقّٰی، یا اس جیسے غلے کا ایک صاع کسی مسکین کو دینا واجب ہے، اسی لیے یہ تحقیق طلب ہے کہ صاع یا نصف صاع کی مقدار موجودہ رائج الوقت پیمانے یا وزن کے اعتبار سے کس قدر ہوگی؟

تقسیم ہند سے پہلے، مولانا عبدالحی لکھنوی فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ نے اس وقت کے رائج انگریزی طریقۂ وزن کی مطابقت شرعی اوزان سے اپنی کتاب سعایہ شرح وقایہ میں بالتفصیل بیان کی ہے، خلاصہ بحث یہ ہے کہ اہل سمرقند اور بلاد ماوراء النہر کے لوگوں کے نزدیک مثقال چھیانوے شعیرہ (جو) کے برابر متعارف ہے، اور اہلِ شرع نے ایک سو جو (شعیرہ) کے برابر متعین کیا ہے۔ اہل ہرات اور اہل ہند کے یہاں اسی کا اعتبار ہے، دوسرے الفاظ میں ایک مثقال بیس قیراط (CARAT) کے برابر ہوا، کیونکہ ایک قیراط (CARAT) پانچ جو کے برابر ہے، اس حساب سے ایک مثقال ایک سو جو کے برابر متعین ہوا۔

رتی، ماشہ، تولہ کے طریقۂ وزن کے اعتبار سے اہل حساب کے یہاں عام طور پر مشہور ہے کہ چار جو ایک رتی کے برابر، آٹھ رتی ایک ماشہ کے برابر، اور بارہ ماشہ ایک تولہ کے برابر ہے۔ اسی طرح ایک سو جو یا ایک مثقال پچیس رتی کے برابر ہوا، اس طرح بیس قیراط یا ایک مثقال پچیس رتی کے برابر ہوا، جس کا مساوی وزن تین ماشہ ایک رتی ہوتا ہے۔

اس حساب سے بیس مثقال کا وزن باسٹھ (۶۲) ماشہ چار رتی یا پانچ تولہ دو ماشہ چار رتی (یعنی ڈھائی ماشہ) ہوتا ہے۔ اور انگریزوں کے عہد کے چاندی کے روپے کے سکے سے چھ رتی کم ساڑھے پانچ روپے بھر ہوا کیونکہ ایک روپیہ کے سکے کا وزن ساڑھے گیارہ ماشے تھا۔

چاندی کے وزن میں احادیث میں دو سو درہم پر زکوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نیز حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے زمانے

ہیں درہم مختلف اوزان کے تھے، بعض درہم بیس قیراط کے برابر یا ایک دینار، ایک مثقال کے برابر تھے، کیونکہ ایک مثقال بیس قیراط کا ہوتا ہے، اسی طرح دینار بھی بیس قیراط کے برابر ہے، بعض درہم بارہ قیراط کے برابر تھے، یعنی ایک دینار کے تین خمس یعنی پانچ حصوں میں سے تین حصوں کے برابر تھا، اور بعض دس قیراط کے برابر یعنی ایک دینار کے ادھے کے برابر۔

غرض درہم کے مختلف وزن اور قیمت میں کم و بیش ہونے کی وجہ سے آپس میں نزاع واقع ہونے لگا، بنا بریں حضرت عمرؓ نے تینوں قسم کے ایک ایک درہم لیے اور تینوں کو ملا دیا اور برابر وزن قرار دیا اس طرح ہر دس درہم سات دینار یا سات مثقال کے برابر قرار پایا، جس کی رُو سے ایک مثقال بیس قیراط کے برابر اور ایک درہم چودہ قیراط کے برابر (ایک قیراط پانچ جو کے برابر) قرار پایا۔

فقہائے حنفیہ اسے وزن سبعہ کے نام سے یاد کرتے ہیں، اور ان کے بیان کے مطابق چودہ قیراط یا ایک درہم ستر (۷۰) جو یا ساڑھے سترہ رتی یعنی دو ماشہ ڈیڑھ رتی کے مساوی ہے اور بیس قیراط یا ایک مثقال ایک سو جو یا پچیس (۲۵) رتی یعنی تین ماشہ ایک رتی کے برابر ہے۔

بنا بریں چاندی کا نصاب دو سو درہم یعنی چھتیس تولہ (۳۶) ساڑھے پانچ ماشہ، اور سونے کا نصاب بیس مثقال یعنی پانچ تولہ ڈھائی ماشہ متحقق ہوا۔ تفصیل اس نقشے سے ظاہر ہے۔

۴ جو = ۱ رتی کے ۵ جو = ۱ قیراط کے (۸ رتی = ۱ ماشہ ، ۱۲ ماشہ = ۱ تولہ)

۱۴ قیراط = ۱ درہم (۷۰ جو یعنی ۵×۱۴)

چاندی:- ۲۰۰ درہم = ۱۴۰۰۰ جو (۷۰×۲۰۰) = ۳۵۰۰ رتی = ۴۳۷ ماشہ ۴ رتی

= ۳۶ تولہ ۵ ماشہ ۴ رتی (یعنی ۳۶ تولہ ساڑھے پانچ ماشہ)

سونا:- ۲۰ مثقال (۱ مثقال یا ۲۰ قیراط = ۱۰۰ جو)

= ۲۰ مثقال = ۲۰۰۰ جو = ۵۰۰ رتی = ۶۲ ماشہ ۴ رتی = ۵ تولہ ڈھائی ماشہ۔

اسی طرح صدقۂ فطر میں نصف صاع گیہوں، یا ایک صاع مکئی، کھجور، باجرہ یا مسور کی مقدار مقرر ہے۔ ایک صاع کی مقدار انگریزی حساب سے جس کی تفصیل گذری دو سیر ایک پاؤ ایک چھٹانک ڈھائی تولہ بنتی ہے، تفصیل یہ ہے۔

ہمارے یہاں معتبر ایک صاع ۸ رطل کے برابر ہے۔ ایک رطل بیس استار کے برابر اور ایک استار ساڑھے چار مثقال کے برابر، اور ایک مثقال ایک سو جو کے برابر متعارف ہے۔

(۸ رطل × ۲۰ استار × ۴½ مثقال = ۷۲۰ مثقال = ۱۸۰۰۰ رتی = ۲۲۵۰ ماشہ
= ۱۸۷½ تولہ = ۲ سیر ایک پاؤ ایک چھٹانک ۲½ (ڈھائی تولہ)

اس وزن کا نصف آدھے صاع کے برابر ٹھہرا، یعنی ایک سیر آدھ پاؤ آدھ چھٹانک اور سوا تولہ یعنی سوا سیر گیہوں صدقۂ فطر کے لیے واجب ہے۔

اس مضمون میں نصاب کی مقدار اور اوزان احتیاط کے ساتھ فقہ کی مستند کتابوں سے لیے گئے ہیں۔

---

(۲)

اردو کتابوں میں سب سے زیادہ معتمد اوّل کتاب بہشتی زیور میں (تیسرا حصہ ص ۲۷، مطبع رزاقی کانپور) جس کی تالیف حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے زیر نگرانی ہوئی ہے۔ یہ مسئلہ درج ہے:-

"جس کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا ہو اور ایک سال تک باقی رہے تو سال گذرنے پر اس کی زکوٰۃ دینا واجب ہے، اور اگر اس سے کم ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں اور اگر اس سے زیادہ ہو تو بھی زکوٰۃ واجب ہے"۔

حاشیہ زیریں صفحہ تحریر ہے:

"ساڑھے باون تولہ چاندی"۔ "اور روپوں کے حساب سے پون (۵۲) روپیہ تین رتی بھر چاندی اور سات روپے سات رتی بھر سونا ہوا۔ اس حساب سے مہر حضرت فاطمہؓ کا تقریباً ایک سو ستر ہوتے اور یہ سب حساب قول مشہور پر ہے کہ مثقال ۴½ ماشہ (ساڑھے چار ماشہ) کا ہے، اور خود جو حساب کیا گیا اس میں کہیں کمی کہیں بیشی نکلتی ہے اس لیے اگر کوئی احتیاط کرنا چاہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ زکوٰۃ تو چالیس روپیہ بھر چاندی اور پانچ رتی چھ روپیہ بھر سونے میں دے دے، اور صدقۂ فطر میں اسّی روپیہ کے سیر سے دو سیر گیہوں دے دے اور نجاست غلیظہ میں ساڑھے تین ماشہ سے بچے اور مہر فاطمہ میں عورت کو احتیاط اس سے ہے کہ سو روپیہ سے

زائد نہ مانگے۔ امر یاد رہے کہ ہم نے سب اوزان میں لکھنؤ کے تولہ، ماشہ کا اعتبار کیا ہے جس کی رُو سے روپیہ سکہ انگریزی ساڑھے گیارہ ماشہ کا ہوتا ہے، جن شہروں میں تولہ کا وزن کم زیادہ ہو وہ اسی حساب سے لگا لیویں۔"

اس عبارت میں دو نکتے قابل غور ہیں:

۱۔ مثقال کا وزن نوٹ (ذیل صفحہ میں) میں ساڑھے چار ماشہ بتایا گیا ہے، حالانکہ عام طور پر فقہاء کے یہاں اور اہل لغت کے نزدیک مثقال کا وزن سو جَو کے برابر معتبر ہے (جو ۲۵ رتی کے برابر ہے یعنی تین ماشہ ایک رتی) اور غالباً اسی وجہ سے اس نوٹ میں یہ بھی تحریر ہے کہ "اگر کوئی احتیاط کرنا چاہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ زکوٰۃ چالیس روپیہ بھر چاندی اور پانچ رتی چھ روپے بھر سونے میں دے، اور صدقہ فطر میں اسّی روپیہ کے سیر سے دو سیر گیہوں دے اور نجاست غلیظہ میں ساڑھے تین ماشہ سے بچے۔ ظاہر ہے کہ "ساڑھے تین ماشہ" کو ایک مثقال کے برابر سمجھا گیا ہے، کیونکہ نجاستِ غلیظہ میں ایک مثقال کے اندازہ سے بچنے کی تاکید آئی ہے۔

۲۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اس نوٹ میں صاف تحریر ہے کہ "لکھنؤ کے تولہ ماشہ کا اعتبار کیا گیا ہے، جس کی رُو سے روپیہ سکہ انگریزی ساڑھے گیارہ ماشے کا ہوتا ہے"۔ اور اس وزن کا اعتبار اس مضمون میں بھی کیا گیا ہے، پس زکوٰۃ کے وجوب کی صورت میں اس کتاب کے وزن کے لحاظ سے سونے میں ساڑھے سات تولہ کا اعتبار کرنا یا چاندی میں ساڑھے باون تولہ کا وزن جو عام طور پر اردو کتابوں میں درج ہے۔ (دیکھیے رسالہ زکوٰۃ ص ۳۴ حصہ سوم کتاب تقویم السعادہ وتعلیم العبادہ مؤلفہ حاجی سید محمد معظم حسین، مطبوعہ مطبع نظامی کانپور ۱۲۹۹ھ، مفتاح الجنۃ مؤلفہ مولوی کرامت علی جون پوری ص ۱۱۴، ۱۱۵ مطبوعہ مطبع حاجی مولوی محمد حسین، اور بہشتی زیور از حضرت مولانا اشرف علی تھانوی تیسرا حصہ ص ۲۰، مطبع رزاقی کانپور۔ عربی کتابوں درمختار[1]، شرح الوقایہ، فتاوٰی شامی، جن کے حوالے دیے گئے ہیں،

[1] درمختار ص ۱۳۶، مطبع مجتبائی۔ "نصاب الذهب عشرون مثقالاً والفضة مائتا درهم كل عشرة دراهم وزن سبعة مثاقيل، والدينار عشرون قيراطا والدرهم اربعة عشر قيراطا والقيراط خمس شعيرات، فيكون الدرهم الشرعي (باقی برصفحہ آئندہ)

کے لحاظ سے صحیح نہیں معلوم ہوتے، کیونکہ صحیح طور پر حساب کرنے سے زکوٰۃ کا وجوب ساڑھے سات تولہ کے بجائے ساڑھے پانچ تولہ میں ہوجاتا ہے اور جو اس حساب سے زکوٰۃ ادا نہیں کرتا، فریضہ کی ادائیگی سے سبکدوش نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح چاندی کا وزن ۳۶ تولہ تین ماشہ ہوجائے تو چالیسواں حصہ زکوٰۃ نکالنا فرض ہوگا۔ غرض مشہور اوزان کی رُو سے زکوٰۃ کی ادائیگی میں فرض کی ادائیگی پوری طرح نہیں ہوتی۔ البتہ صدقہ فطر میں احتیاطاً لوگ زیادہ ادا کر رہے ہیں کہ ان کتابوں کی رُو سے ایک صاع کا وزن زیادہ بتایا گیا ہے، ڈھائی سیر ایک صاع کے وزن سے زیادہ ہی حساب میں ہوتا ہے، اس لیے نصف صاع کے برابر سوا سیر گیہوں ہوتا ہے، بنا بریں صدقہ فطر میں سوا سیر یا اس کی قیمت ادا کرنا واجب ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(باقی حاشیہ صفحہ سابقہ) سبعین شعیرۃ، والمثقال مائۃ شعیرۃ فھو درھم وثلاثۃ اسباع درھم، وقیل یفتی فی کل بلد بوزنھم والمعتبر وزنھما اداء ووجوبا لا قیمتھما۔

ترجمہ:۔ سونے کا نصاب بیس مثقال ہے، اور چاندی کا نصاب دو سو درہم، ہر دس درہم سات مثقال کے ہم وزن ہے، اور دینار بیس قیراط اور درہم چودہ قیراط کا ہوتا ہے، اور ایک قیراط پانچ جو کا ہے۔ پس شرعی درہم ستر جو کا ہے اور مثقال سو جو کا ہوتا ہے، تو مثقال ایک درہم اور ایک درہم کے سات حصوں کے تین حصوں کے برابر ٹھہرا۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہر شہر میں وہاں کے رواج دادہ وزن کے مطابق فتویٰ دیا جائے گا۔ بہرکیف زکوٰۃ کے واجب ہونے اور ادا کرنے میں دونوں کا وزن معتبر ہے، قیمت نہیں۔

قرآن پاک میں ہامان کا ذکر

اور

اِس سلسلہ میں مستشرقین کے اعتراضات کا ازالہ

جناب سیّد شیر محمد صاحب سبزواری

[صاحبِ تفہیم القرآن سے ایک مرتبہ عرض کر چکا ہوں کہ تفہیم القرآن کی تیسری جلد میں ہامان پر جو نوٹ لکھا گیا ہے اس میں مدعا تشنہ رہ گیا ہے۔

اسی دوران میں کسی ضرورت سے مجھے مصر قدیم کے متعلق لائبریریوں میں بے شمار کتب کا مطالعہ کرنا پڑا۔ اللہ کا کرم ہے کہ ہامان کے متعلق مزید معلومات جمع ہو گئیں۔ ابھی یہ کام مکمل تو نہیں، شاید تشنہ ہو۔ لہٰذا قارئین ترجمان القرآن کی خدمت میں پیش کرتا ہوں] (مؤلف)

قرآن کے پانچ مقامات ہامان کا ذکر قرآن پاک میں پانچ مقامات پر آیا ہے۔ سورۃ القصص کی آیات ۵، ۶ اور ۸۔ اور ۳۸ میں۔ سورۃ عنکبوت کی آیت ۳۹۔ اور پھر سورۃ المؤمن کی آیات ۲۳ اور ۲۴ میں جن کا ترجمہ مولانا فتح محمد جالندھری مرحوم نے فتح الحمید میں مندرجہ ذیل کیا ہے:

۱۔ سورہ القصص، آیات نمبر ۵، ۶۔

"اور ہم چاہتے تھے کہ جو لوگ ملک میں کمزور کر دیے گئے ہیں۔ اُن پر احسان کریں اور اُن کو پیشوا بنائیں اور انہیں (ملک کا) وارث کریں اور ملک میں اُن کو قدرت دیں اور فرعون اور ہامان اور اس کے لشکر کو وہ چیزیں دکھائیں جس سے وہ ڈرتے تھے۔"

ب ۔ سورۃ القصص کی آیت نمبر ۸ :

"بے شک فرعون اور ہامان اور اُن کے لشکر چوک گئے"۔

ج ۔ سورۃ القصص کی آیت نمبر ۳۸ :

"اور فرعون نے کہا لے اہلِ دربار میں اپنے سوا کسی کو تمہارا خدا نہیں مانتا ۔ تو ہامان میرے لیے گارے کو آگ لگا کر اینٹیں پکا اور پھر ایک اونچا محل بنادو تاکہ میں موسٰے کے خدا کی طرف چڑھ جاؤں اور میں تو اُسے جھوٹا سمجھتا ہوں"۔

د ۔ سورۃ العنکبوت آیت نمبر ۳۹ :

"اور قارون اور فرعون اور ہامان کو بھی (ہلاک کر دیا) اور اُن کے پاس موسٰے کھلی نشانیاں لے کر آئے تو وہ ملک میں مغرور ہو گئے اور وہ (ہمارے) قابو سے نکل جانے والے نہ تھے"۔

س ۔ سورۃ المؤمن آیات نمبر ۲۳، ۲۴ :

"اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں اور دلیل روشن دے کر بھیجا (یعنی) فرعون اور ہامان اور قارون کی طرف تو انہوں نے کہا کہ یہ تو جادوگر ہے جھوٹا"۔

مستشرقین کا تعصب مستشرقین نے جہل و تعصب سے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہامان نام کی کوئی با اثر اور ذی حشم اور با اختیار شخصیت فرعون مصر کے دربار میں تھی ہی نہیں ۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام مطبوعہ لیڈن اور لندن کی جلد ۲ کے صفحات ۲۴۴ اور ۲۴۵ پر جو نوٹ .... ہامان کے متعلق ہے ، اس کے مطابق ہامان ، شاہ ایران اخسویرس یعنی خشیارشا (Xerxes) کا وزیر تھا جو اسرائیلیوں کا دشمن تھا جس کے زمانے اور فرعون مصر کے زمانے میں (جس کی طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے) کئی صدیوں کا فرق ہے اور پھر وہ کہتے ہیں (پناہ بخدا) کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مغالطہ کھا کر ہامان کو فرعون سے منسلک کر دیا ۔ اسی قسم کے اعتراضات (Wherry) نے اپنی انگریزی کی تفسیر قرآن میں اور Sale نے قرآن پاک کے انگریزی ترجمہ کے نیچے نوٹ میں درج کیے ہیں — انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کی نئی جلد جو ۱۹۷۱ء میں شائع ہوئی ہے اس کی جلد سوئم کے صفحہ ۱۱۰ پر بھی اسی قسم کا اعتراض درج ہے ۔

مغربی مؤرخین کی قیادت

اگر یہ مغربی علماء اپنے ہی ممالک کے مشہور عالم مؤرخین قدیم مصر اور مصری آثارِ قدیمہ کے ماہرین کی کتب کا سرسری سا مطالعہ ہی کر لیتے تو اُن کا جہل اور تعصب دُور ہو جاتا اور اُن پر روزِ روشن کی طرح ظاہر ہو جاتا کہ کلام پاک ہر قسم کے ابہام اور اغلاط سے پاک و منزہ ہے اور درحقیقت حضرت موسیٰؑ کے ہم زمانہ فرعونِ مصر کے عہد میں 'ہامان' موجود تھا، جو صاحبِ اقتدار، ذی اختیار اور ذی حشم تھا اور تاریخِ مصر ایسے قطعی شواہد پیش کرتی ہے جن کے مطالعہ سے قرآن پاک کے ہر ہر بیان کی تصدیق ہوتی ہے جو ہامان کے متعلق مندرجہ بالا آیات میں مذکور ہے۔

اِن شواہد کا حوالہ بیان کرنے سے پیشتر یہ ضروری ہے کہ یہ ذہن نشین کر لیا جائے کہ جس طرح فرعون شاہانِ مصر کا عام لقب تھا، اسی طرح ہامان بھی لقب ہی تھا جس طرح فرعون کسی خاص بادشاہ کا نام نہ تھا اسی طرح ہامان بھی کسی خاص شخص یا درباری یا وزیر کا نام نہ تھا۔

اب مندرجہ ذیل شواہد حاضرِ خدمت ہیں:

۱ - بلاشک و شبہ امان یا ہامان کی قدیم نخلستانی پرستش ایک طرف تو مصر میں آمن یا آمون کی پرستش کا پیش خیمہ ثابت ہوئی اور دوسری طرف کارتھیج میں "لعل ہامان" کی عبادت کا موجب بنی (دیکھیں صفحہ ۱۲۱ - مصرِ قدیم میں مذہبی زندگی مصنفہ سر فلنڈرز پیٹری Religious Life In Ancient Egypt, by Sir Flinders Petric)

۲ - مذکورہ بالا امان یا ہامان دیوتا کا بڑا پادری مینڈھے کی کھال کا لبادہ اوڑھ کر ہامان کے روپ میں ظاہر ہوا کرتا تھا یعنی ہامان کہلاتا تھا۔ (دیکھیں صفحہ ۳۳ مصر کا قدیم مذہب مصنفہ سر فلنڈرز پیٹری

(Religious Life In Ancient Egypt, by Sir Flinders Petric)

۳ - مصری عوام ہامان کو اپنا بڑا مربی سمجھتے تھے۔ اس سے زیادہ اس کی تعریف میں کیا کہا جا سکتا ہے کہ اُسے "غرباء کے وزیر" کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا جو گنہگار ملزموں سے رشوت نہیں لیتا تھا۔ بریسٹڈ کی تاریخ مصر کا صفحہ ۲۴۴ ملاحظہ کریں۔

(A History of Egypt, by Breasted)

۴ - مصرِ قدیم کے مذہبی عقائد میں سے ایک عقیدہ یہ بھی تھا کہ فرعون سیڑھی لگا کر (سورج) دیوتا

کو ملنے آسمان پر چڑھتا تھا۔ (اس ضمن میں دیکھیں صفحہ ۱۵۶۔ قدیم مصری عقائد و مذہب کا ارتقاء از بریسٹڈ۔ (Devolopment of Religion & Thought In Ancient Egypt, by Breasted.)

۵۔ آمن یا ہامان دیوتا کا بڑا پجاری جو بحوالہ مذکورہ بالا ۲ خود ہامان کا روپ دھار لیتا تھا اور ہامان کہلواتا تھا اور پیغمبر اعلیٰ بھی کہلواتا تھا۔ بڑی بڑی عمارتیں بنوانے کا بندوبست وہی کرتا تھا۔ تعمیرات کا بڑا مہتمم (Great Superintendent of Works) وہی تھا۔ مندروں کے خزانوں کا انتظام اسی کے سپرد تھا۔ باقی سارے پروہت اسی کے ماتحت ہوتے تھے۔ اناج کے ذخائر بھی اس کی تحویل میں ہوا کرتے تھے۔ مندروں یا اہرام کی افواج کا وہ سالار اعلیٰ ہوتا تھا۔ اس کے ماتحت غلاموں کا ایک لشکر جرار ہوتا تھا۔ الغرض وہ مذہبی اور پولیٹیکل قوت و احتشام کا مالک تھا (دیکھیں صفحات ۹۶ اور ۹۷ مصر قدیم کا مذہب مصنفہ سٹائن ڈروف Religion of Ancient Egypt, by Steind Orff. اور صفحہ ۵۲۰ مصر کی تاریخ مصنفہ بریسٹڈ A History of Egypt, by Breadsted.

۶۔ مصر قدیم کی عام بڑی بڑی عمارتیں اور لاٹھیں پکی اینٹوں سے بنائی جاتی تھیں گو بعد میں سخت پتھر بھی استعمال ہونے لگا تھا۔

ایک قابل غور مسئلہ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مستشرقین نے اخسویرس شاہ ایران کے نام نہاد وزیر ہامان سے فرعون مصر کے ہامان کو کیسے خلط ملط کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ Old Testament میں ایک باب Esther کے نام سے ہے۔ الیستھر ایک یہودی حسینہ تھی جس کے حسن و شباب کے دام تزویر میں یہود کی روایت کے مطابق (جسے ان کے اپنے اکثر علماء بھی من گھڑت قصہ قرار دیتے ہیں) متذکرہ شاہ ایران پھنس گیا تھا۔ Old Testament کے اس باب میں جن جن ہستیوں کا ذکر آیا ہے اور جن میں ہامان بھی شامل تھا۔ من گھڑت تھیں۔ جب مستشرقین کے اعتراضات و شکوک کے سارے قلعے کی بنیاد ہی ایک من گھڑت عشقیہ قصے پر ہو تو ان اعتراضات اور شکوک کا بے بنیاد ہونا ظاہر ہے۔ اس ضمن میں شائقین علم و تحقیق بلاحظہ فرمائیں۔ الیستھر کا ذکر بر صفحات ۲۳۵ تا ۲۳۰ جیوئش انسائیکلوپیڈیا The Universal Jewish Encyclopedia اور

صفحہ ۱۸۰ یونیورسل جیوئش انسائیکلوپیڈیا (The Universal Jewish Encyclopedia)

امر واقعہ یہ ہے کہ Esther کے قصے کو Old Testament میں شامل کرنے یا نہ کرنے کے سوال پر بھی قدیم علمائے یہود میں سخت اختلاف رائے تھا۔ بالآخر اسے اس لیے Old Testament کا جزو بنایا گیا کہ اس پر یہود کے ایک اہم تہوار کی رسم کی بنیاد رکھی گئی ہے جسے Purim کہتے ہیں۔

قارئین کرام سے استدعا ہے کہ اگر اس مسئلے کے کسی پہلو پر مزید روشنی کی ضرورت ہو تو بلاتکلف اس عاجز کو لکھیں۔ ان شاء اللہ بندہ ان کے استفسارات کا جواب دینے کی کوشش کرے گا۔ نیز اگر کوئی صاحب مزید معلومات یا قابلِ مطالعہ مواد کی نشاندہی کر سکیں تو راقم شکر گزار ہوگا۔

(بقیہ اجماعِ اُمت اور قانون سازی میں اس کی حیثیت)

امام ابن حزمؒ اس نسبت کا انکار کرتے ہیں۔

ثالث :۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اگر اس نئے حکم سے سابقہ دونوں آراء کالعدم نہ ہوتی ہوں تب اس تیسری رائے کا حدوث جائز ہے ورنہ نہیں۔ یہ تفصیل امام شافعیؒ سے بھی مروی ہے اور شافعیہ میں سے علماء کی ایک جماعت نے اسے اختیار کیا ہے۔

(باقی)

مغربی تہذیب کا بحران

جناب ریاض الحسن نوری ایم اے

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْن

اَمَّا بَعْدُ۔ فَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: سَنُرِیْھِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَھُمْ اَنَّہُ الْحَقُّ ۔ یعنی ہم غیر مسلموں کو کائنات میں اور خود اُن کی اپنی جانوں میں ایسی نشانیاں دکھائیں گے کہ اُن پر واضح ہو جائے گا کہ قرآن کریم میں جو کچھ کہا گیا ہے حق ہے۔

ہم پہلے بھی بعض مضامین میں کائنات سے متعلق قرآن میں بیان کردہ بعض حقائق پیش کر چکے ہیں جن کو آج سائنس دان بھی تسلیم کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں۔ اب ہم بہ الفاظ قرآن "خود اُن کی جانوں" سے عیاں ہونے والے چند حقائق کی طرف مختصراً اشارے کریں گے جس سے ان حقائق کی سچائی بھی واضح ہو جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

بَلِ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ فِی الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِیْدِ ۝

(سبا ۔ ۸)

یعنی جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ عذاب اور بڑی گمراہی میں مبتلا ہیں۔

منکرین آخرت کو مرنے کے بعد جو عذاب ہو گا اس کا تو ہم یہاں ذکر نہیں کریں گے البتہ یہ لوگ اس دُنیا میں جس عذاب اور گمراہی میں مبتلا ہیں، اس کی ایک جھلک ہم ضرور دکھائیں گے۔

ایمان ولیقین کا خاتمہ یورپ کے عیسائی پہلے بھی آخرت میں واجبی سا ایمان رکھتے تھے۔ ان کے کئی پوپ بھی ایسے گذرے ہیں جو منکرِ خدا تھے مگر دُنیاوی فائدے کے لیے عیسائیت کو اختیار کیے ہوئے تھے۔

برٹرینڈ رسل لکھتا ہے کہ اگرچہ پادریوں نے مخالفت کی مگر برطانیہ کی پریوی کونسل نے فیصلہ کر دیا ہے کہ عیسائی ہونے کے لیے دوزخ پر یقین ضروری نہیں[1]۔ اب تو ایسے فرقے بھی پیدا ہو گئے ہیں کہ جن میں عیسائیت کے بہت سے بنیادی عقائد مثلاً خدا و آخرت کو ماننا بھی ضروری نہیں رہا۔ اب آخرت کے انکار کا کیا اثر ہوا یہ بھی سن لیجیے۔

برٹرینڈ رسل ہی لکھتا ہے:

"زندگی اگرچہ ہر زمانے میں تکالیف سے پُر رہی ہے مگر آج ہمارے زمانے میں یہ اس سے کہیں زیادہ تکلیف دہ اور اندوہناک ہو چکی ہے جتنی کہ آج سے دو صدیاں پیشتر تھی[2]"

اس کی وجہ یقین اور ایمان کی کمزوری یا فقدان ہے۔ اس کے ثبوت کے طور پر دورِ جدید کی مشہور ماہرِ اقتصادیات یعنی کیمبرج یونیورسٹی کی جون رابنسن کی شہادت ملاحظہ ہو۔ لکھا ہے:

"آج کل جو زندگی اتنی تکلیف دہ ہو گئی ہے MODERN LIFE IS SO UNCOMFORTABLE اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ہم ان چیزوں کے متعلق بھی ذاتی طور پر حساس ہو گئے ہیں جو بالکل یقینی اور شک و شبہ سے بالا تر سمجھی جاتی تھیں۔ پہلے لوگ جن باتوں پر یقین کرتے تھے اور اس لیے کرتے تھے کہ انہیں وہ سچ سمجھتے تھے یا اس لیے کہ تمام صحیح الخیال لوگوں کا نظریہ یہی تھا....[3]"

اس سے قبل امریکہ کے مشہور ماہرِ نفسیات ولیم جیمز (WILLIAM JAMES) کا بھی سارا

(1) P. 14, Why I am not a Christian.

(2) P. 31. In Praise of Idleness and other Essays. by Bertrand Russell

(3) P. 1, Economic Philosophy, by Joan Robinson. William James

زور ایمان اور یقین پر تھا اور یہی اس کے فکر کی بنیاد ہے۔
ڈاکٹر اقبالؒ بھی فرماتے ہیں:

یقین پیدا کر اے ناداں، یقین سے ہاتھ آتی ہے
وہ درویشی کہ جس کے سامنے جھکتی ہے فغفوری

جرائم اور تشدد ہاورڈ جونز سوشیالوجی کے مشہور بین الاقوامی ماہر لکھتے ہیں:-

"آج کے دور میں چوریوں کی وارداتیں اتنی بڑھ گئی ہیں کہ اس سے پہلے کبھی اتنی چوریاں نہ ہوتی تھیں۔ اسی طرح پرائیویٹ اور پبلک جائیداد اور ملکیتوں کی تباہی جتنی آج ہو رہی ہے، تاریخ انسانی میں ایسی کبھی نہ ہوئی تھی۔ اور شاید سب سے اہم بات یہ ہے کہ انسانوں نے انسانوں پر کبھی اتنا تشدد نہیں کیا تھا جتنا آج کیا جا رہا ہے۔ خاص طور سے کم عمروں اور نابالغوں نے جس طریقے سے احمقانہ طور سے تشدد میں حصہ لینا شروع کر دیا ہے ــــ بالخصوص یورپ اور شمالی امریکہ میں، یہ بہت ہی اندوہناک اور تشویشناک ہے...... رفاہی حکومت نے اگرچہ انقلاب پیدا کیا ہے اور بہت سی سوشل خرابیاں دور کی ہیں اور مختلف طبقات میں ناہمواری کو کم کیا ہے مگر اس کا جرائم کی رفتار پر کوئی فائدہ مند اثر نہیں پڑا ہے، بلکہ ان سب خوش آئند تبدیلیوں سے جرائم میں ایسی مقدار سے اضافہ ہوا ہے کہ گویا یہ سب چیزیں ہی جرائم کو جنم دینے کی ذمہ دار ہیں...... ہم میں سے اکثر پہلے کی نسبت اقتصادی طور پر اتنے بہتر ہیں کہ اس سے پہلے کبھی نہ تھے۔ اگر سوشل معاملات میں دلائل اور ثبوت کوئی معنی رکھتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مادی بہتری کے ساتھ ساتھ ہمارا اندرونی سکون اور بیرونی حسن کردار ہم سے چھن گیا ہے۔"[1]

اخلاقی و روحانی ترقی کی ضرورت مذکورہ بالا بیانات دراصل مندرجہ ذیل قول الٰہی کی عملی اور تجرباتی تفسیر ہیں۔ قرآن نے تو پہلے ہی اعلان کر دیا تھا۔

وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ (الشوریٰ۔ ۲۷)

---

(1) PP. 7, 11, 150, 151, 159.—Crime in a changing Society.

by Howard James.

یعنی اگر خدا اپنے بندوں پر رزق وسیع کر دے تو لوگ زمین میں سرکشی اختیار کر لیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مادی ترقی کے ساتھ ساتھ روحانی ترقی از حد ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ برٹرینڈ رسل جیسے شخص کو بھی کہنا پڑا کہ:

"اب ہم اس دوسرے قسم کے نظریے کی طرف آتے ہیں جس نے انسانیت کو فائدہ پہنچایا ہے اور وقت پر فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ یعنی ٹیکنیکل کے برعکس اخلاقی ترقی...... دنیا کی موجودہ حالت اور ایٹمی جنگ کا خطرہ اس بات کو واضح کرتا ہے کہ اگر سائنسی ترقی کے ساتھ ساتھ اسی مناسبت سے اخلاقی اور سیاسی ترقی نہ ہو تو اس سے تباہی میں اضافہ ہو سکتا ہے[1]۔"

یہی شخص دوسرے مقام پر لکھتا ہے کہ:

"سائنس نیکی کی جگہ نہیں لے سکتی۔ دل بھی اچھی زندگی کے لیے اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ دماغ[2]۔"

لیکن آجکل کی حکومتیں عوام کی روحانی اور اخلاقی ترقی کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتیں بلکہ عوام کو بد اخلاقی اور برائیوں کی نذر کھلی چھٹی دی جاتی ہے بلکہ انہیں ابلاغِ عامہ اور اشتہارات کے ذریعے اس کی ترغیب دی جاتی ہے۔ سود، قمار بازی، منشیات، فحش اور تشدد سے بھرپور فلمیں وغیرہ سب اس لیے برداشت کی جاتی ہیں کہ حکومت کو ان سے ٹیکس وصول ہوتا ہے اور اس سے افسر شاہی کے ٹھاٹھ باٹھ چلتے ہیں۔ حکمرانوں کو یہ ڈر بھی رہتا ہے کہ فلاں برائی کو روکنے سے کہیں لوگ ہمیں کم ووٹ نہ دیں اور کرسی دوسروں کو مل جائے۔ اسی وجہ سے شراب کی بندش امریکہ میں کامیاب نہ ہو سکی۔

وسیع و بسیط بحران | جدید دور کے مشہور سوشیالوجسٹ سارو کن (SOROKIN) جو انٹرنیشنل انسٹیٹیوٹ آف سوشیالوجی کے سابق صدر بھی ہیں یوں رقمطراز ہیں:

"مغربی زندگی کا ہر پہلو، نظم، کلچر اور تہذیب کو غیر معمولی بحران کی زد میں ہے..... اس کا

---

(1) P. 123. Unpopular Essays.

(2) P. 48, The Future of Science, by B. Russell.

جسم اور ذہن مریض بن چکے ہیں۔ اس کے جسم پر مشکل ہی سے کوئی ایسا نقطہ ہوگا جو صحیح کام کر رہا ہو۔ یہ بحران اہلِ مغرب کے آرٹ، فلسفہ، مذہب، قانون، اخلاق، رہائش، طرزِ فکر، طور طریق اور اُن کے معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی نظام ہائے زندگی جس میں اُن کے خاندانی اور شادی بیاہ کے نظام بھی شامل ہیں، سبھی دائروں میں چھایا ہوا ہے۔ ...... یہ بات نہیں کہ اس بحران کو ہٹلروں، اسٹالنوں اور مسولینیوں نے پیدا کیا ہے بلکہ وہ تو خود بحران تھا کہ جس نے اُن کو جنم دیا تھا ...... اُن کے ہٹانے سے بھی بحران ختم نہ ہوگا۔ حتیٰ کہ قابلِ محسوس حد تک کم بھی نہ ہوگا ...... بلکہ اس سے نقطہ اور زیادہ بڑے اور نئے ہٹلر، اسٹالن، روز ویلٹ اور چرچل پیدا ہو جائیں گے۔ اور جب تک بحران باقی رہے گا، پیدا ہوتے رہیں گے۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہمارے دور کے شدید بحران کی وسعت اور نخامت کتنی ہے۔ اگر اس کا مطلب مغربی سوسائٹی کا بالکل خاتمہ نہ بھی ہو پھر بھی اس سے مغربی سوسائٹی اور تہذیب میں ممکن حد تک زبردست انقلاب اور جدید کلچرل اور سوشل زندگی میں معنی خیز حد تک تبدیلیوں کا اندازہ ضرور کیا جا سکتا ہے۔ اس وجہ سے یہ اس سے کہیں گہرا اور اہم ہے جتنا کہ اس کو ایک عام بحران کا نام دینے والے سمجھتے ہیں۔ ملوکیت سے ریپبلک یا کیپیٹل ازم سے کمیونزم کی طرف قدم بالکل غیر اہم ہے، بہ نسبت اس تبدیلی کے جو کسی کلچر یا سوسائٹی کو بنیادی طور پر تبدیل کرنے کے اثرات سے ہوتی ہے ـــــ جیسے تصوری (Ideational) تہذیب یا اس کا عکس۔[1]

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

غم واندوہ کا دور امریکہ کے مشہور ماہر اقتصادیات، مورخ نگار اور سوشل تاریخ کے ماہر ـــ فرڈیننڈ لنڈبرگ اور مشہور ماہرۂ نفسیات و دماغی امراض ماریناایف فارنہم (ایم۔ ڈی)

1-PP-13-17 The Crisis of our age. by Dr. P.A. SOROKIN.

لکھتے ہیں :

"جدید انسانی زندگی میں غم و الم اور پریشانیوں کا دائرہ اتنا وسیع تر ہوتا جا رہا ہے اور اتنا شدید تر بھی کہ سخت تشویش و فکر کا باعث بنا ہوا ہے۔ اس سے ہماری سوشل کلچر اور ذاتی زندگیوں کو سخت خطرہ لاحق ہو چکا ہے...... جس غم و اندوہ اور ناخوشی کی طرف سے ہمیں فکر لاحق ہے اس میں تمام صنعتی تہذیب ملوث ہے۔

کسی مبہم طریق پر جدید تہذیب کو جو شدید بحران گھیرے ہوئے ہے اس کی وجہ بھی یہی بڑھتی ہوئی الم انگیزی یا ناخوشی ہے۔ اس بحران (Crisis) کی علت اور اس کا جدید اثر دونوں ہی بنیادی طور پر روحانی (Psychic) ہیں۔ یہ جدید بحران اقتصادی بھی ہے، سوشل بھی اور سیاسی بھی۔ ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ مگر یہ بنیادی طور پر روحانی ہے۔ (It is fundamentally Psychic) نیز یہ بحران عورت کے گرد گھومتا ہے۔ اگرچہ اس کو مردوں نے حرکت دی ہے"[1]

یہ حضرات مزید لکھتے ہیں :-

" اس وقت بھی جو پانچ اشخاص شادی کریں گے ان میں سے ایک ضرور وجہ طلاق بنے گا۔ ..... طلاقوں کی رفتار میں تیزی سے ترقی اور ایسے دیگر امور سے یہ واضح ہوتا ہے کہ غم و فکر کے گھمبیر سایے وسیع پیمانے پر بڑھ رہے ہیں ...... ۱۹۵۵ء کے آغاز سے امریکہ میں قتل کی رفتار میں بھی تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے ...... اور جو بھی قتل کا مرتکب ہوتا ہے وہ خوش باش نہیں خیال کیا جا سکتا"[2]

امریکہ میں ۱۹۶۹ء میں ہزار شادیوں میں سے ۲۸۲ میں طلاق ہوئی[3]

1- PP. 22, 23, Modern Woman, by Lundberg and Farnhamm M.D.

2- PP. 37, 39, ibid.

3- P. 468, Contemporary Social Problems,

by R.K. Merton and R. Nisbet.

متذکرہ دونوں حضرات نے مزید لکھا ہے کہ:

"مادی ترقی اس حد کو پہنچ چکی ہے کہ ڈیڑھ سو سال قبل اس کا خیال بھی نہ کیا جا سکتا تھا۔ بیماریاں اور وبائیں اس قدر کم ہوگئیں کہ اس سے پہلے سوچ بھی نہ سکتے تھے۔ مادی لذتوں اور خوشیوں کے لیے سامانِ آرائش و آسائش ہمارے گرد کثرت سے بکھرے ہوئے ہونے کے باوجود یہ دور ایسا ہے کہ جہاں تک احساسات کا تعلق ہے اس کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ یہ تاریخ انسانی میں سب سے بڑھ کر غمگینی اور ناخوشی کا دور ہے ...... یہ غم واندوہ بڑھ رہا ہے اور حیرت انگیز طور پر پھیلتا جا رہا ہے۔ مزید یہ سوشل کلچرل اور پرائیویٹ زندگیوں میں بربادی کی دستک دے رہا ہے ...... انسان میں پہلے بھی نفرت اور تشدد کے جذبات پائے جاتے تھے۔ گزشتہ لوگ نفرتوں اور تشدد کے باوجود گزارا کرتے تھے۔ مگر یہ بات جدید ترقی یافتہ انسان کے لیے ہی رہ گئی تھی جو انجانی وجوہات کی بنا پر قنوطیت کا شکار ہے کہ وہ نفرت اور تشدد کے لیے باقاعدہ اصول اور فلسفے گھڑ ڈالے"[1]

لنڈبرگ اور فارنہم مجر لکھتے ہیں:

"آخر کار ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اعصابی اور نفسیاتی بیماری اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ علاج کی فکر کرنا ناگزیر ہوگیا ہے۔ امریکہ میں ۲۵ سے ۳۳ تک بالغ افراد اسی حد تک نفسیاتی بیماری کے مریض ہیں ..... اس کے علاوہ ہم اس نتیجہ پر بھی پہنچتے ہیں کہ مزید ۲۵ تا ۳۳ فیصد لوگ اعصابی اور نفسیاتی بیماریوں سے پریشان رہتے ہیں"[2]

(باقی)

1- PP. 22, 26, Contemporary Social Problems,
by R.K. Merton and R. Nisbet,

2- PP. 416 - 35 - ibid.

(بقیہ اشارات) لکھنا پڑھنا، اُن کی تقریر و تحریر، اُن کے دورے اور سفر، اُن کی ملاقاتیں اور رابطے سب اسی عقیدہ و نصب العین کے لیے تھے۔

مولینا کے وسیع پسماندگان میں وہ تمام خاص و عام شامل ہیں جو اس عقیدے اور نصب العین کے فدائی ہیں۔ ایسے فدائیوں کو برسوں کی محنت سے مرحوم و مغفور نے اپنے گرد سمیٹا، پھر اُن کو منظم کیا، اُن کی تربیت کی، اُن کو کام سونپے، اُن سے مشورے لیے، اُن کی عزت کی اور انہیں تاریخ پر اثر ڈالنے والی ایک بڑی قوت بنا کے اپنے پیچھے چھوڑا۔

مولینا کا یہ وہ خاندان ہے اور یہ ایسی برادری ہے کہ مولینا نے جب جس کام کے لیے اُن کو پکارا انہوں نے لبیک کہا، اُن میں سے کتنوں نے عہدوں، اور ملازمتوں کو تج دیا۔ کتنوں نے حرام آمدنیوں سے حاصل شدہ جائیدادوں کو الگ کر دیا اور کتنوں نے عزیز رشتوں اور دوستیوں کو چھوڑ دیا۔ پھر خدا کے یہ بندے جیلوں میں گئے، سڑکوں پر لاٹھیوں اور گولیوں کا نشانہ بنے، گالیوں کی بوچھاڑوں سے دوچار ہوئے۔ بھٹانوں اور حوالاتوں میں خراب ہوئے، لاہور کے شاہی قلعہ اور دوسری عقوبت گاہوں میں اُن کے جسموں اور عضلات کو پیس ڈالا گیا، اور اُن کو اعصاب شکن ذہنی اذیتیں دی گئیں۔ اور اُن کی عزتِ نفس کے پرزے اُڑائے گئے۔ ان میں سے ہر شخص قربانیوں کی ایک تاریخ رکھتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اور سب کو چھوڑ کر آپ اس دیہاتی کارکن کا تصور کیجیے جس کو ضرورت کی پوری آمدنی میسر نہیں، جس کے بدن پر اچھا بلکہ کافی لباس نہیں، جس کے بچے مشکلات سے گذر رہے ہیں لیکن وہ تیس پینتیس برس سے ایک عاشقِ جنوں زدہ کی طرح اقامتِ دین کے لیے صحرا نوردیاں کرتا ہے۔ وہ مولینا کی ہدایت پر عوام کو کوئی پیغام پہنچانے کے لیے کوچہ گردیاں کرتا ہے، وہ ایک ایک پمفلٹ کو لے کر ہر دروازے پر دستک دیتا ہے، اجتماعات میں شرکت کے لیے سفر کرتا ہے۔ تربیت گاہوں کے لیے وقت نکالتا ہے اور غریبی کے باوجود خدا کی راہ میں انفاق کرتا ہے۔ حق یہ ہے کہ مولینا مودودی کی مقصدی برادری کے اس چھوٹے سے کارکن کے قدموں کی دھول سیم و زر کے انباروں، کوٹھیوں اور کاروں سے زیادہ قیمتی ہے اور اس کی شخصیت اربابِ دولت و جاہ کی شخصیتوں سے ہزار گنا پاکیزہ اور بلند ہے۔

میں سوچتا ہوں کہ مولینا کی مقصدی برادری کے ایسے ایک ایک رکن کا دکھ کون بٹائے گا، اس کے

آنسو کون پونچھے گا، اس کو کون سہارا دے گا اور اُس کے سامنے تعزیت کے لیے کون جائے گا۔

اسی صف کے اُن ہزاروں پیارے بھائیوں کا تصور کرتا ہوں جو چترال اور بلوچستان سے لمبے لمبے سفر کر کے اس لیے لاہور پہنچے کہ مولینا کے جنازے میں شریک ہوں اور آخری بار اُن کے چہرے کی جھلک دیکھ سکیں۔ کوئی حساب ہے ان لوگوں کے دکھے ہوئے جذبات کا، جن میں سے کتنے بچوں کی طرح بلک بلک کر روتے رہے، اور زیارت کے لیے میل بھر لمبی قطار انتظار میں کئی گھنٹے کھڑے رہے۔

اور مولینا مرحوم و مغفور کی اس وسیع برادری کی ایک اہم صف اُن بیدار دل اور شاہین نگاہ نوجوانوں کی ہے جنہوں نے درس گاہوں کی مخالفانہ تعلیمی فضا اور معاشرے کے فاسد ماحول کو شکست دے کر مولینا کا پیغام انقلاب اپنے اندر جذب کیا اور آج اُن کی جانیں پرچم حق کو بلند کرنے کے لیے بے تاب ہیں۔ ان نوجوانوں نے اپنے آپ کو الحاد اور مادہ پرستی اور سوشلزم اور جنسی ثقافت سے اس طرح اپنے آپ کو بچا نکالا ہے جیسے کوئی نوخیز بچہ شکاریوں کے چنگل سے نکل بھاگا ہو۔ انہوں نے شدید تعلیمی مصروفیات کے ساتھ ساتھ ایک طرف اپنے آپ کو اسلامی شعور اور اسلامی کردار سے آراستہ کرنے کی مساعی جاری رکھیں، دوسری طرف یونیورسٹیوں کے ماحول میں انہوں نے مخالفِ اسلام نظریات کے جال پھیلانے والوں کا زور توڑ دیا اور تیسری طرف یہ ملک کی اسلامی تحریک کا سرمایۂ تقویت ہیں۔

مجھے اندازہ ہے کہ عزم و ہمت کے ان پیکروں پر کیا گذری۔ اُن کی روحیں کیسے تڑپ تڑپ گئیں، مگر انہوں نے اپنے سینوں کی جراحتوں سے خون نہیں ٹپکنے دیا۔ پھر کمال یہ ہے کہ اپنی تفتہ جگری کے باوجود انہوں نے اپنے لیڈروں کی زیرِ کمان تابوت کی آمد، سید مغفور کے رخِ پرنور کی زیارت اور جنازے کی اسٹیڈیم روانگی اور واپسی کے انتظامات منظم سپاہ کی طرح کیے۔ یہ نوجوان جو اپنے ماں باپ سے بھی زیادہ سید مودودی اور مرشد مودودی کو چاہتے تھے، آج محترمی میاں طفیل محمد سے لے کر مجھ ناچیز تک مولینا کی ساری برادری اپنی اس نوجوان صف کے دکھ درد کا بہ شدت احساس کرتی ہے۔ مستقبل کے ان مجاہدین تحریکِ اسلامی کے سامنے میں سب کی طرف سے اظہارِ ہمدردی اور تلقینِ صبر کا فریضہ ادا کرتا ہوں، نیز دعا کرتا ہوں کہ سید مودودی کے یہ لاڈلے بچے

اور اسلام کے یہ فداکار سپاہی آنے والے دور میں تحریکِ غلبۂ اسلام کو تاریخ کے آخری کناروں تک پہنچا دیں اور دعوتِ حق کے جس علم کو انہوں نے تھاما ہے اُسے دُنیا ئے انسانیت کے ہر اُونچے سے اُونچے مقام پر گاڑ دیں۔ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ!

میں اپنے آپ پر بھی، اور اپنے تمام رفیقوں پر بھی لازم سمجھتا ہوں (اور میرے سارے رفیق بھی لازم سمجھتے ہیں) کہ مولینا کی اپنی بنائی ہوئی اس مقصدی برادری کے ہر رکن سے محبت کی جائے۔ اور اس کو احترام و اعتماد کا مستحق سمجھا جائے۔ اور مولینا کے خونی رشتوں اور خاندان کا بھی یہ فرض ہے کہ مولینا کے ان رُوحانی رشتہ داروں، بلکہ بیٹوں اور چہیتوں اور لاڈلوں کو ہمیشہ محبت و احترام کا مستحق سمجھیں۔

میں اپنے اس اداریے کے ذریعے مولینا کی اس پوری برادری کے ہر ہر فرد سے (جو پاکستان میں بھی پھیلی ہوئی ہے اور پاکستان سے باہر بھی دُنیا کے مختلف خطوں میں موجود ہے) تعزیت اور ہمدردی کا اظہار کرتا ہوں نیز اُن سے درخواست کرتا ہوں کہ مولینا کے تمام چاہنے والے اس عقیدہ و نصب العین کی سربلندی اور نظام اسلامی کے غلبہ کی جد و جہد پہلے سے زیادہ عزم و ہمت کے ساتھ کریں جس کے لیے مولینائے مغفور نے آخر دم تک بھرپور کام کیا۔ اگر یہ نہیں تو محبت یا تو محض جذباتی نوعیت کی ہوگی یا کسی دُنیوی مفاد کے لیے!

مولینا مودودی رحمۃ اللہ علیہ کی اس وسیع برادری ہی کے جذبۂ محبت و احترام نے ہمیں مجبور کر دیا کہ جنازے کی تدفین میں قدرے تاخیر کو گوارا کر لیا جائے۔ ورنہ ہزاروں لاکھوں افراد کا درد محرومی ہمیں تڑپا تڑپا دے گا۔ ان کے جذبے مرجھا جائیں گے اور کلیجے مسوس کر رہ جائیں گے۔ مولینا کے زخم خوردہ فدائیوں کے ساتھ ایسا خوفناک تجربہ کرنے کی ہم میں ہمت نہ تھی۔

بلاشبہ حکم ہے کہ تکفین و تدفین میں عجلت کی جائے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں ہے کہ۔ اَسْرِعُوا بِالْجَنَازَةِ (یعنی جنازے میں جلدی کرو) حُصَیْنِ بْنِ وَحْوَحْ نے حضرت طلحہؓ بن براء کی وفات کے موقع پر حضورؐ کا ارشاد "عَجِّلُوْا بِهٖ" نقل کیا ہے۔ یعنی تجہیز و تکفین اور جنازہ

اُٹھانے میں جلدی کرو۔

یہ حکم اگر فرضیت و وجوب کی نوعیت رکھتا ہو تو پھر تو کسی بڑے سے بڑے سبب کو بھی اس کی عین مین تعمیل میں مانع نہیں ہونا چاہیے۔ حقیقت میں اِس پر عمل کرنا مندوب و مستحب ہے اور اس کی حکمتیں اور مصلحتیں واضح ہیں۔ بروئے سنت مندوب و مستحب تقاضوں کو بالعموم پورا کرنا چاہیے اور عام طور پر تکفین و تدفین میں جلدی کی ہی جاتی ہے۔ لیکن اگر کبھی کوئی بڑی ضرورت سامنے ہو، مثلاً مناسب وقت میں اعزہ و اقرباء کے شریک جنازہ ہونے کا امکان ہو، یا وارثِ حقیقی موجود نہ ہو اور اس کا تھوڑی بہت دیر میں پہنچ جانا متوقع ہو، یا طوفانِ باد و باراں اتنا شدید ہو کہ شامیانہ تان کر بھی قبر تیار کرنا ممکن نہ ہو اور اگر تیار کریں تو اس کے کنارے گرنے لگیں یا پانی اندر بھر جائے یا بیک وقت کسی بستی میں یا کسی گھر میں آگے پیچھے موتیں ہو جائیں تو ایسی صورت میں توقف کیا جا سکتا ہے۔ میں اگرچہ فتویٰ دینے کا مقام نہیں رکھتا مگر سرسری حیثیت سے مسئلے کی نوعیت کو سمجھتا ہوں اور جنائز کے سلسلے میں پیش آنے والی عملی صورتوں کا مجھے تجربہ و مشاہدہ ہے۔

جہاں تک دلیل کا تعلق ہے، عملِ صحابہؓ سے بڑی قاطع دلیل ملتی ہے۔ آخر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ مبارک کو کم از کم ۳۲ گھنٹے تاخیر سے سپرد لحد کیا جا سکا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مسلمانوں کے گروہ نادر پیچھے بعد دیگرے جنازہ پڑھتے رہے۔ گویا ایمانی فدائیوں میں سے اکثر کو محروم رکھنا صحابہؓ نے درست نہیں سمجھا۔

ہم جیسے عامیوں کی موت کے مقابلے میں جن کا تعلق اپنے گھر یا خاندان کے چند افراد سے ہوتا ہے، خدا کے دین کی خدمت کرنے والی مقبولِ خلائق اور محبوبِ عام شخصیتوں کا معاملہ ذرا مختلف ہوتا ہے۔ ایسی ہستیوں کا خاندانِ محبت بڑا وسیع ہوتا ہے اور اس وسیع خاندان کو درکنار رکھ کر محض خونی رشتے کے دو چار وارثوں کا کوئی فیصلہ کر دینا مناسب نہیں ہوتا۔ ایسے لوگوں کے بھائی بندوں اور بیٹوں بیٹیوں کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے جن کی رعایت اس بنا پر ملحوظ رکھنا ضروری ہوتا ہے کہ کسی متوفیٰ نے زندگی میں اُن کے جذبات کی رعایت ملحوظ رکھی ہو[۱]۔

[۱] باہر سے بعض دوستوں نے یہاں آکر ادتے ہوئے یہ کہا کہ ہم لوگ جنہیں ۲۵ تاریخ کو (باقی برصفحہ آئندہ)

پس ایک حکمِ مندوب کے ثواب کی کمی، ہزارہا انسانی قلوب کے اطمینان اور اُن کی شرکتِ جنازہ سے پوری ہو جاتی ہے۔ واضح رہے کہ جنازوں کا بڑا ہونا جہاں یہ معنی رکھتا ہے کہ انبوہ کثیر نے ایک شخص کے حق میں دُعا کرنے کے ساتھ ساتھ اچھی شہادت دی اور اپنے لیے ثواب حاصل کیا، وہاں دین کی تاریخی کشمکش میں حصّہ لینے والی شخصیتوں کے جنازے دُنیا کے لیے ایک علامت ہدایت بھی ہوتے ہیں۔ جیسے کہ امام احمدؒ بن حنبل اور امام ابن تیمیہؒ نے فرمایا تھا کہ یہ تو ہمارے جنازے ہی واضح کریں گے کہ ہم یا ہمارے مخالفین میں سے کون حق پر ہے۔ چنانچہ اُن کے جنازے کی وسعت و عظمت اُن کے حق میں علامت بن گئی۔ آج مولانا مودودی کا جنازہ بھی اُن کے حق میں ایک دلیل اور علامت کی حیثیت سے سامنے آیا ہے۔

کیا خوب بات کہی اُن کے ایک محب خاص استاذ یوسف القرضاوی نے کہ مولانا مودودی کا جنازہ نہیں، ریفرنڈم تھا۔ اس جنازے نے اسلام اور غیر اسلام کے درمیان لکیر کھینچ دی ہے۔ اس جنازے نے ثابت کر دیا ہے کہ پاکستان میں اسلام کے سوا اب کوئی دوسرا نظریہ نافذ نہیں ہو سکتا۔ پاکستان اب اسلام کے لیے وقف ہو گیا ہے (سبحان اللہ)

اگر مولانا کی بیماری اور وفات کی خبر نہ دی جاتی اور جنازے کے متعلق کسی طرح کا اعلان کیے بغیر چپکے سے میت لا کر جلدی جلدی دفن کر دی جاتی تو ایک حکم مستحب کا ثواب تو اُن کے ورثا کو مل جاتا مگر دین اور محبانِ دین کو وہ عظیم برکات نہ ملتیں جن سے وہ بہرہ مند ہوتے ہیں۔

مولانا کے معاملے میں تو خدا تعالیٰ کا خاص ہی پروگرام تھا۔ ذاتی طور پر اُن کو یہ بات پسند نہ تھی کہ اُن کا آخری وقت کسی غیر ملک میں آئے (اس کا اظہار انہوں نے میرے روبرو بھی کیا) لیکن مشیتِ الٰہی نے اپنا راستہ خود معین کیا۔ گھر سے ہزاروں میل دُور بفیلو کے ایک ہسپتال میں اُن کی رُوح قبض کی گئی نتیجہ یہ کہ نیویارک اور لندن میں اُن کے جنازے پڑھے گئے۔ بروایت پروفیسر خورشید احمد مجموعی طور پر

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) رات گئے تک بہ سلسلہ بلدیاتی انتخابات سرکاری ڈیوٹیاں دیتی ہیں، خدا کے لیے ہمیں مولانا کے چہرے کی آخری زیارت اور شرکت جنازہ سے محروم نہ کیجیے اور ہم جیسے ہزاروں افراد کے لیے نماز جنازہ ۲۶ کی صبح کو رکھیے۔ مخلصانہ جذبات کے ان ریلوں سے ہم بھی بے نیاز نہ ہو سکتے تھے کہ لوگوں سے دُور کہیں چھپ کے بیٹھ سکتے، سو ایسے لوگوں کی فریادوں کا ہمیں احترام کرنا پڑا۔

ایک درجن مرتبہ جنازے پڑھے گئے۔ اور خبرِ دنیا میں اُن کا تذکرہ تازہ ہوا۔ اِدھر ملک کے لوگوں کو موقع مل گیا کہ وہ دُور دُور سے جنازے کے لیے آسکیں، اور بے شمار لوگ آئے۔ خدا ان سب کے جذبۂ اخلاص کو قبول کرے۔

وہ قابلِ احترام مہمان جو امریکہ، برطانیہ، سعودی عرب، قطر، کویت، اُردن، عمان، انڈیا، بنگلہ دیش سے جنازے میں شرکت کے لیے تشریف لائے وہ بھی مولینا مودُودی مرحوم و مغفور کی عالمی برادری کے رکن تھے۔

اندرونِ ملک سے اوّلاً صدرِ پاکستان کا ہم شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے نہ صرف جنازے میں شرکت کی بلکہ مولینا کے گھر آکر اُن کے اخلاف سے تعزیت بھی کی اور تابوت کو امریکہ سے لانے کے لیے خصوصی دلچسپی کا اظہار بھی کیا، نیز گورنر پنجاب جنرل محمد سوار خاں اور گورنر سندھ جنرل عباسی اور اُن کے ساتھ حکومت کے جن افسروں نے جنازے میں شرکت کی، وہ یقیناً عنداللہ خصوصی ثواب کے مستحق ہوں گے۔ پی آئی اے کے چیئرمین جناب انور جمال کی بھی ہم قدر کرتے ہیں جنہوں نے کراچی میں مولینا مودودی مغفور کی نمازِ جنازہ کے سلسلے میں انتظامات پر خصوصی توجہ دی۔ حکومت پنجاب کا یہ حکم بھی ہزاروں افراد کے لیے باعثِ ثواب بنا کہ سرکاری ملازموں کو اجازت دے دی گئی کہ وہ دفتری اوقات میں شرکت جنازہ کے لیے جاسکتے ہیں [1]۔ علاوہ ازیں جو بے شمار علما، سیاسی لیڈر،

---

[1] نہ خوگرِ حمد ہوں اور نہ گلہ گذار۔ بلکہ ایک معاملے میں مجھے سخت تحیّر ہے کہ یہ بات کیا تھی اور کیوں ہوئی۔ ایک طرف صدرِ پاکستان اور دو صوبوں کے گورنروں کا مستحسن طرزِ عمل ہے۔ دوسری طرف ملک جاوید اختر صدر پنجاب یونیورسٹی یونین نے نیو کیمپس آڈیٹوریم میں پہلے بڑے جلسۂ تعزیت میں، ۲۷ ستمبر کو یہ انکشاف کیا کہ ریڈیو اور ٹی۔وی کی طرف سے مولینا مودُودی کے آخری سفر کے سلسلے میں خبریں اور معلومات دینے کے لیے خاص پروگرام تھا۔ لیکن مبینہ طور پر مرکزی سیکرٹری اطلاعات نے ایسی ہدایات دیں کہ بعد ازاں خبر بھی غیر اہم اور مختصر انداز سے پیش کی گئی۔ اندر کی ہدایات کا معاملہ تو خیر محض "مبینہ" کی حدود تک محدود ہے۔ مگر ہدایات سے جو نتیجہ نکلنا چاہیے تھا وہ کم سے کم سب کے سامنے ہے۔ مولینا کے جنازے ہی کی خبر مختصر کر دی گئی اور اُسے پہلے نمبر (باقی برصفحہ آئندہ)

صحافی اور دانشور، کاروباری حضرات اور ملازم، خواتین اور طلبہ تعزیت یا جنازے میں شرکت کے لیے آئے، خدا ان سب کو جزائے خیر دے۔

بیرونِ ملک سے آنے والوں میں سے نمایاں نام یہ ہیں:۔

۱۔ ڈاکٹر یوسف القرضاوی، قطر یونیورسٹی۔ ۲۔ استاذ عبداللہ العقیل ڈائرکٹر اسلامی امور، وزارتِ اوقاف، کویت۔ ۳۔ سیف الاسلام ایڈووکیٹ فرزند امام حسن البناشہید، مصر۔ ۴۔ عبدالرحمن، عبدالرزاق، عراق۔ ۵۔ عدنان سعدالدین، اخوانی رہنما ابوظبی ۶۔ شیخ سعید حوّی،

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابق) سے بٹھا دیا گیا۔ بعدازاں اُن کے تعزیتی اجتماعات میں ملکی شخصیتوں کے علاوہ متعدد معروف غیر ملکی اکابر نے تقریریں کیں، مگر ایسی چیزوں کا بلیک آؤٹ جاری رہا۔ جہاں تک مولینا مودودی مغفور کے اپنے مسلک کا تعلق ہے، وہ ہمیشہ ان چیزوں سے بے نیاز رہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اُن سے خاص معاملہ تھا کہ اُن کی قبولیت عام کو دُنیا میں اس طرح پھیلا یا جیسے گھاس کے نیچے ہی نیچے پانی پھیلتا چلا جاتا ہے ــــ اوپر خواہ کیسی ہی خاردار جھاڑیاں اور بیلیں پھیلی ہوتی ہوں۔ دنیا والے اپنے ذرائع ابلاغ کو اچھی طرح سینت سنبھال کر بیٹھے رہیں خدا تعالیٰ کے کچھ اپنے بھی ذرائع ابلاغ ہیں۔ کاش کہ اُن کا کیا ہوا کام اور نتیجہ منفی ذہن کے عناصر کو محسوس ہو سکے۔

میں نے کل جب سیکولر انڈیا میں جے پرکاش نرائن کی ارتھی کے جلوس کی مفصل رننگ کمنٹری انڈیا ریڈیو سے سُنی اور یہ جانا کہ حکومت کے عمائد، تینوں شعبہ ہائے فوج کے نوجوانوں اور اُن کے افسروں، ساری سیاسی جماعتوں کے لیڈروں اور مذہبی شخصیتوں نے ارتھی کے جلوس میں شرکت کی، نیز ذرائع ابلاغ نے پوری تقریبِ غم کا نقشہ آوازوں اور لکیروں میں قوم اور بیرونی دُنیا کے سامنے رکھ دیا تو مجھے خیال آیا کہ کیا ہمارے ہاں سوچنے والوں کے دماغ مفلوج تھے اور اُن کے قلوب اتنے بے ظرف تھے کہ وہ اسلامی ریاست کے اندر اسلامی ریاست کے نقیب اور مفکر کے آخری سفر کو ذرائع ابلاغ کے ذریعے پیش نہ کر سکے۔ اگر وہ ایسا کرتے تو خواص و عوام کے جذبۂ اسلامی کی مزید آبیاری ہوتی۔ اور خود وہ لوگ خدا سے اجر پاتے۔

مجھے اندیشہ ہے کہ ہمارے ہاں ایسے لوگ ہیں جو اپنے ذاتی خیالاتِ فاسدہ اور جذبات سافلہ کی تسکین کے لیے خاص موقعوں پر منفی قسم کی کارروائیاں کرتے رہتے ہیں۔ کاش کہ مبینہ بات کے متعلق فوری طور پر تحقیقاتی کارروائی کر لی جائے۔

اخوانی رہنما، شام - ۷- ڈاکٹر احمد توتونجی، اسسٹنٹ سیکرٹری جنرل، ورلڈ اسمبلی آف مسلم یوتھ۔ ۸- ڈاکٹر طٰہٰ جابر العلوانی، پروفیسر شریعت کالج، ریاض - (نمائندہ خصوصی از حکومت سعودی عرب) ۹- استاذ محمد صلاح الدین، ایڈیٹر روزنامہ المدینہ، جدّہ - ۱۰- شیخ عبدالعزیز المطوع، اخوانی رہنما کویت - ۱۱- ڈاکٹر کمال سنانیری، اخوانی رہنما مصر - ۱۲- شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ المحمود چیف جسٹس قطر - (نمائندہ خصوصی از حکومت قطر) - ۱۳- مولینا محمد یوسف، امیر جماعت اسلامی، ہند - ۱۴- مولینا ابواللیث اصلاحی، سابق امیر جماعت اسلامی، ہند - ۱۵- مولینا صدرالدین اصلاحی، رکن مجلس شوریٰ جماعت اسلامی، ہند - ۱۶- مولینا عروج قادری، ایڈیٹر ماہنامہ زندگی، ہند - ۱۷- مولینا محمد اجتبیٰ ندوی ہند ۱۸- مولینا عبدالحسیب اصلاحی، ہند - (نوٹ ان حضرات کے ساتھ ۵۰ افراد پر مشتمل وفد آیا) - ۱۹- مولینا عباس علی خان صاحب امیر جماعت اسلامی بنگلہ دیش - ۲۰- مولینا عبدالسبحان صاحب بنگلہ دیش - ۲۱- جناب قمرالدین نور صاحب رہنما تحریک نوجوانان اسلام، ملائیشیا - ۲۲- جناب محمد سنوسی رہنما اسلامک پارٹی ملائیشیا - ۲۳- جناب عبداللطیف عربیات وزارت تعلیم، اُردن (چار رکنی وفد کے ساتھ) ۲۴- جناب غلام نبی فائی، نمائندہ جماعت اسلامی، مقبوضہ کشمیر۔

علاوہ ازیں، امریکہ اور انگلستان سے بھی اسی موقع کے لیے مختصر وفود آئے۔

بعد میں آنے والوں کے اسماء یہ ہیں:

۱- جناب لیسین عمر الامام - ممبر قومی اسمبلی، سوڈان - ۲- ڈاکٹر علی الجاج، نمائندہ از مرکز اسلامی افریقہ خرطوم کمان، سوڈان - ۳- آیت اللہ یحییٰ نوری، نمائندہ خصوصی آیت اللہ امام خمینی، ایران - ۴- ڈاکٹر غفوری، ایران - ۵- جناب احمد، ایرانی قونصل مامور بہ پاکستان، اور اُن کے اسٹاف -

ممالک اسلامیہ کے ان چند محبان مودودی اور ممتاز خادمان اسلام کی فہرست یہ ہے جو اسلام آباد کے سیمینار میں شرکت کے بعد تعزیت کے لیے تشریف لائے -

مفتی عتیق الرحمن (انڈیا)، ڈاکٹر مصطفیٰ الزرقا (شام)، ڈاکٹر ابو حامد عثمان (مراکو)، ڈاکٹر مھدی بن عبود (عمان) استاذ احمد بن الخلیفہ مفتی (عمان)، جناب مصطفیٰ عبداللہ سلیمان - جناب عبداللہ حماد سیف (سینیگال)، ڈاکٹر اسمٰعیل رضی الفاروقی - جناب احمد البیلے - جناب زاہد لیقی، ڈاکٹر علی الجاج (سوڈان) ڈاکٹر لیسین عمر الامام (سوڈان) -

اُن تعزیتی تاروں کی فہرست پیش کرنا تو ان صفحات میں ممکن نہیں جو باہر کے مختلف حکمرانوں، حکومتی عہدہ داروں، اسلامی تنظیموں، تعلیمی یا علمی اداروں، تبلیغی حلقوں اور مولانا کی دعوت سے قریبی روابط رکھنے والوں کی طرف سے چند روز میں موصول ہوئے ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ عالمِ اسلام کا کوئی ملک ایسا نہیں اور نہ مسلمانوں کی آبادی کا کوئی مشرقی یا مغربی خطہ ایسا ہے جہاں سے مولینا مغفور کے محبّوں کے پیغامات نہ آرہے ہوں۔

ادارہ ترجمان القرآن، مولینا مودودی کے اہلِ خاندان اور جماعتِ اسلامی کے امیر اور دیگر مرکزی اکابر کی طرف سے ہم متذکرہ تمام اصحاب کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کی مخلصانہ ہمدردی نے ہمارے بارِ غم والم کو ہلکا کر دیا۔

سعودی عرب کے ممتاز عالم شیخ عبدالعزیز بن باز نے باقاعدہ حکم کیا جس کے تحت گذشتہ جمعہ کو (مولینا مغفور کی تدفین کے ایک دن بعد) حرمین کے علاوہ ملک کی تمام مساجد میں غائبانہ نمازِ جنازہ ادا کی گئی۔ اسی طرح ابوظبی کے قاضی القضاۃ کے حکم سے ابوظبی کی مساجد میں بھی غائبانہ نمازِ جنازہ ادا کی گئی۔ مراکش کے جریدہ العلم کے ذریعے معلوم ہوا ہے کہ گذشتہ جمعہ کو مولینا کی اسلامی خدمات کے اعتراف کے ساتھ فاس کی جامع قرویین، مسجد اندلس، تتوان اور کاسابلینکا اور رباط کی جملہ مساجد میں جنازے کی غائبانہ نمازیں پڑھی گئیں اور دعائیں مانگی گئیں۔ مصر میں خبر کے پہنچتے ہی تمام بازار اور ادارے بند ہو گئے، وہاں بھی جنازے کی نمازیں پڑھی گئیں۔ اور دعائیں مانگی گئیں۔ ابھی مختلف اطراف سے آہستہ آہستہ اطلاعات جمع ہوں گی۔

قرآن خوانی کی مجالس، یادگاری اجلاس اور تعزیتی اجتماعات دُنیا بھر میں اس کثرت سے ہو رہے ہیں کہ اُن کی رپورٹ یہاں پیش نہیں کی جا سکتی۔

یہ سب علامات ہیں اس بات کی کہ سیّد مرحوم و مغفور سے، کسی دنیوی مفاد کی آلائش کے بغیر اللہ فی اللہ محبت کرنے والوں، اور اُن کے علم و کردار اور اُن کی دینی خدمات اور علمی کارناموں کی گواہی دینے والوں کی کتنی بڑی تعداد ہے، جو ملکوں ملکوں اور شہروں شہروں میں پھیلی ہوئی ہے۔ یہ ایک نشان اُس شخص کی اُخروی کامرانیوں کا جس کی زندگی بھی دین کے حق میں ایک علامت تھی اور جس کی موت بھی ایک علامت بن گئی ہے۔ سبحان اللہ!

یہ طویل گذارشات ختم کرتے ہوئے میں دُعا کرتا ہوں کہ:۔

اے اللہ! اپنے دینِ مقدس کی بھرپور خدمات انجام دینے والے سیّد مودُودی کی رُوح پر اپنی رحمتوں اور انوار کا نزول فرما، اس پر اپنی بہترین تجلیات کے پھول برسا! اس کی قبر کو اُفق تا اُفق وسعت دے اور اپنے جمال کی کرنوں سے اسے روشن کر دے۔

اے اللہ! تیرے اس بندے نے اقامتِ دین کی مہم کا آغاز کر کے اس کے عروج کے لیے اپنی پوری عمر کھپا دی، اُسے جزائے وافر عطا فرما!

اے اللہ! وہ ہستی جس نے تیرے پیارے آخری رسولؐ سے اور اس رسولؐ کی ستم رسیدہ اُمت کے ساتھ بھرپور محبت کی اور اس اُمت کی بھلائی کے لیے جیل کی سل‌ختوں اور پھانسی کے تختے تک کے لیے اپنے آپ کو پیش کر دیا، اُسے اپنے رسول کی شفاعتِ خاص سے نواز، اور اُسے حوضِ کوثر کے مشروبِ مقدس سے سیراب فرما۔

اے اللہ! وہ جو عالمِ اسلام کے ہر دُکھ پر تڑپا ہے، جس نے مسلمانوں کے ہر زخم کی ٹیس اپنے کلیجے میں محسوس کی ہے اور اُن سارے احساساتِ کرب کو اپنے سینے میں جذب کر کے، جس نے پورے صبر و عزم کے ساتھ ایسے تمام معاملات میں اپنا فرض ادا کیا ہے، اُسے انعام یافتہ انبیاء و شہداء اور صدیقین و صالحین کی محفل میں مسندِ نور عطا فرما۔

اے اللہ! تیرا وہ بندہ جس نے قدم قدم پر مختلف اطراف سے تکفیر و تضحیک کے حملے برداشت کیے اور بدگوؤں کو "جیسے کو تیسا" کے اصول پر نہ کبھی برسرِعام جواب دیے اور نہ دل میں کوئی کینہ رکھا جو قریبی حلقے میں وقتاً فوقتاً نمایاں ہوتا رہے ـــــ اپنے ایسے بندے کو ہر اُخروی راحت سے زیادہ سے زیادہ حصّہ ارزانی فرما۔

اے اللہ! اس داعیٔ حق اور نقیبِ اقامتِ دین نے اپنے مقدس مشن کے لیے جس تحریک کو برپا کیا ہے، اس کی زیادہ سے زیادہ خدمت کی توفیق ہمیں بھی نصیب کر۔ نیز ہمیں نئی قوتیں اور صلاحیتیں عطا فرما۔

اے اللہ! جن افراد اور جن اداروں اور جن سرگرمیوں سے اُس نے زندگی میں صرف تیرے لیے محبت کی ہے اُن سے محبت کرنے کی سعادت ہمیں عطا فرما۔

اے اللہ! اپنے بعد کام کو جاری رکھنے کے لیے جن اصحاب کو رخصت ہونے والے بانیٔ تحریک نے

بہ طور امیر یا لیڈر تربیت خاص دی اور جن کو مامور کیا یا جن کے کسی منصب ذمہ داری پر آنے کو پسند کیا، اُن کی اطاعت اور اُن سے تعاون اور اُن کی خیر خواہی کی راہ پر ہم کو مستقیم رکھے۔

اے اللہ! راقم الحروف کے لیے تو وہ دینی استاذ اور قرآن وحدیث کا معلم ہونے کے علاوہ ذاتی دائرے میں شفیق بزرگ بھی تھا۔ میں نے بعض اوقات اپنی ذاتی پریشانیوں کو اس کے سامنے بیان کر کے حرفِ تسلی اور کلماتِ دعا کی شکل میں فیض اٹھایا ہے۔ میں نے کبھی کبھار اس کے سامنے اپنی الجھنیں اور اذیتیں بھی پیش کی ہیں۔ میں نے دو ایک بار اس سے وقتی ضرورتوں کے لیے قرض بھی لیا ہے، اور میرے ربِ غفور میں نے اس کے سامنے بارہا بے باکی سے (بدتمیزی سے نہیں) بعض ایسی باتیں کہی ہیں جنہیں شاید کوئی دوسرا نہ کہہ سکتا اور ایسی کئی باتوں کو سیّد مغفور نے مجھ سے قبول کر لیا ہے۔ میرے آقا! تیرے اس بندے نے تہائی صدی سے زائد عرصے میں مجھے کبھی خوردہ گیری کا نشانہ نہیں بنایا، مجھ پر میرا اکثر ہونا واضح نہیں کیا، مجھے زجر و توبیخ نہیں کی۔ بلکہ میرے ناقص کاموں پر بھی میری حوصلہ افزائی کی ــــ اے خداوندِ کائنات! میرے اس مشفق محسن کے درجاتِ عالیہ میں مسلسل اضافہ فرما۔

اے اللہ! مولینا مغفور کے اہل خاندان، جماعتِ اسلامی کے وابستگان اور پاکستان اور عالمِ اسلام اور بقیہ دنیا کے تمام محبانِ مودودی کی جراحت لگتے غم پر صبر و سکینت کا مرہم رکھ دے۔

ــــــــ آمین، ثم آمین ــــــــ

مولینا مودودی مرحوم و مغفور کے اہل خانہ کی طرف سے یہ اعلان ہونے پر روح جھوم اٹھی کہ ۵۔ اے ذیلدار پارک کو مولینا کی لائبریری سمیت ایک ایسے وقف میں بدلا جا رہا ہے جہاں اُن کے نشوونما دیے ہوئے کارِ تحقیق کو بھی آگے بڑھایا جائے گا اور دوسری ایسی علمی اور تربیتی سرگرمیاں جاری کی جائیں گی جو مرحوم و مغفور کے دم سے جاری رہیں۔ بہت ہی اچھا ہوا کہ اس دلکش منصوبے سے انہوں نے پریس کے ذریعے پوری قوم کو آگاہ کر دیا اور ملک اور عالمِ اسلام کے کروڑوں انسانوں کو گواہ بنا لیا۔ اس فیصلے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مولینا کے صاحبزادگان میں غلبۂ نظامِ حق کا سچا جذبہ موجود ہے۔ خدا سے دعا ہے کہ وہ ان کے اس نیک ارادے کو مستحکم کرے۔

یہ کام جب سے شروع ہو کر جب تک جاری رہے گا، اس کا ثواب لمحہ بہ لمحہ مولینا مودودی کی روحِ پُرنور تک پہنچتا رہے گا اور اس کام کے لیے جتنے بھی لوگ آئندہ کے لیے تیار ہوں گے ان سب کی علمی و دینی خدمات کے ثواب کا حصہ سید مودودی مرحوم و مغفور کو ملے گا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک! ثم الحمد للہ۔

مطبوعات

عنوان کتاب : حدود اللہ
مؤلف و ناشر: شہزاد احمد
صفحات: ۲۲۴، پیپر بیک کور
غالباً ہدیہ بلا قیمت ہے
ملنے کا پتہ: شہزاد احمد
عالمگیر پیکیجز ۳/D کمرشل ایریا
تاج مینشن۔ ناظم آباد نمبر۲ کراچی

راقم ایک پُر خلوص صاحبِ عزم دوست کی اس کوشش کا خیر مقدم کرتا ہے۔ جب سے یہاں احیائے اسلام کے چرچے شروع ہوئے ہیں۔ تحریر کا ذوق رکھنے والے میاں نظام حق نے اسلامی قانون اور معیشت وغیرہ سے متعلق متعدد کتابیں، پمفلٹ، مقالات اور مضامین لکھے ہیں۔ یہ کتاب بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ اس میں بڑی خوبی سے عقائد، اخلاقیات اور قانونی احکام کو جمع کر دیا گیا ہے مگر "حدود اللہ" کے عنوان سے موجودہ ماحول کی ضروریات کے سلسلے میں جو تصور ذہن میں بنتا ہے۔ اس کے تقاضے معیاری طور پر پورے نہیں ہوتے۔

یہ تسلیم کہ دعوتی اور سماجی زندگی میں مصروف مؤلف کی یہ مجبوری بھی ہے کہ ہمارے یہاں اسلامی نظام سے متعلق اہم مباحث پر ٹھوس تحقیقی کام کا سلسلہ رُکا ہوا ہے۔ بالعموم ایک ہی قسم کا معلوماتی مواد ترتیب کے مختلف پیرایوں میں سامنے آ رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ معاشرے میں ٹھوس تحقیقی کتابوں کی مانگ کم ہے اور مطالعہ کرنے والوں کا جو تھوڑا سا حلقہ پایا جاتا ہے اس کی اکثریت بھی مبادیاتی معلومات کی محتاج ہے۔ اور اگر یہ معلومات بھی عوام تک کسی طرح پہنچ جائیں تو بڑی بات ہے۔

بہر حال پاکستان میں، اور دوسرے اسلامی ممالک میں، جہاں جہاں تحریک اسلامی نظامِ وقت کا رُخ بدلنے میں مؤثر ہو رہی ہے، اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ موجودہ مسائل اور ان کے ناقابلِ اطمینان حل پیش کرنے والے نظریات اور فکری نظاموں کو سامنے لے کر اسلامی حکمت کو تحقیقی سطح پر اجاگر کیا جائے۔ اسی کے ساتھ عوام میں اسلامی حقائق کو پھیلانے کے لیے سادہ قسم کا لٹریچر بھی تیار ہو کر پھیلنا چاہیے۔ اس دوسری ضرورت کو شہزاد احمد صاحب (باقی بر صفحہ ۴۸)

ایک ضروری اعلان

ترجمان القرآن ـــــ کا ـــــ سیّد مودودی غفر لہٗ نمبر

ابھی یہ اوّلین اعلان محض اطلاعی نوعیت کا ہے۔ اشاعتِ خاص کا تفصیلی منصوبہ ضروری مشاورت کے بعد بنے گا، اور اس سلسلے میں جو معلومات بھی سامنے لاتی ہوں گی، لائی جائیں گی، نیز ماہِ اشاعت کا فیصلہ بھی بعد میں ہوگا۔ اتنی بات البتہ واضح رہنی چاہیے کہ یہ نمبر اخباروں اور رسائل کے پیش کردہ نمبروں سے ذرا مختلف ہوگا۔ اور اس میں بطورِ خاص لکھوائے ہوئے معیاری مقالات، سنجیدہ مضامین، حالاتِ زندگی، خود سید مودودی کی تحریریں، اقتباسات اور خطوط وغیرہ پیش کیے جائیں گے۔

قارئین ترجمان القرآن اور جملہ محبانِ مودودی سے درخواست ہے کہ وہ ادارہ سے حسبِ ذیل صورتوں میں تعاون کریں:۔

۱۔ مجوزہ اشاعت کے متعلق جو تجاویز یا مفید معلومات آپ کے سامنے ہوں، لکھ بھیجیں۔

۲۔ مولینائے مغفور کے قلم سے لکھے ہوئے خطوط یا کسی طرح کی کوئی تحریر یا کوئی مسودہ آپ کے پاس ہو تو چاہیں تو وہ اس کی فوٹو سٹیٹ کاپی بنوا کر بھجوادیں اور چاہیں تو اصل بذریعہ رجسٹری ہمیں روانہ کر دیں تاکہ ہم فوٹو کاپی لے کر اصل واپس کر دیں۔

۳۔ جن اصحاب کو مولینا کے حالاتِ زندگی اور سوانح کے کسی خاص پہلو کی معلومات حاصل ہوں، وہ اشاعتِ خاص کے لیے لکھ بھیجیں۔

۴۔ جن اصحاب کو مولینا سے مل کر، یا خط و کتابت کرتے ہوئے کوئی خاص تجربہ ہوا ہو، یا جنہیں کسی اہم امر کا مشاہدہ کرنے کا موقع ملا ہو، یا جن کے پاس کوئی یادگاری چیز موجود ہو، وہ ہمیں مطلع فرمادیں۔

۵۔ جن اصحاب نے مولینا مودودی کی دعوت سے متاثر ہو کر اپنی زندگیاں بدلی ہیں، ان میں سے جس کسی کو کوئی غیر معمولی صورت پیش آئی ہو، وہ روئیداد تحریر فرمادیں۔ وہ تجربات بھی اسی ذیل میں آتے

ہیں کہ مولینا کی میزبانی، ہم سفری یا جیل میں اُن کی رفاقت، یا اُن کے علاج معالجے یا کسی ہسپتال میں اُن کی تیمارداری، یا جلسوں اور علماء یا سیاسی لیڈروں کی مشترک مجالس میں اُن کی شرکت کی صورت میں پیش آئے تھے۔

ہماری دلی تمنا ہے کہ:-

سید مودودی رحمۃ اللہ علیہ اپنا رسالہ جس کو ۱۹۳۲ء میں انہوں نے احیائے اسلام کی تحریک برپا کرنے کا ذریعہ بنایا، جس رسالے نے ہزاروں زندگیوں کے نقشے بدل دیے اور جس کے ساتھ آخر دم تک اُن کا تعلق کسی نہ کسی شکل میں قائم رہا، سید مودودی مغفور کا سب سے بڑھ کر اس پر حق آتا ہے کہ وہ مغفور کا شایانِ شان یادگاری نمبر پیش کرے۔

ادارہ کے تمام کارکنان یہ کام بہ نیت ثواب کریں گے، اور جو کوئی جس درجے میں بھی اپنا حصہ اس میں ادا کرے گا، عند اللہ اجر حاصل کرے گا۔

(ادارہ ترجمان القرآن)

(بقیہ مطبوعات) کی کتاب "حدود اللہ" بخوبی پورا کرتی ہے۔

ایک پہلو خاص طور پر توجہ دلانے کا ہے۔ وہ یہ کہ اسلامیات کے متعلق معلوماتی مواد کو تعلیم یافتہ عوام کے لیے مؤثر بنانا ضروری ہے، اور مؤثر بنانے کے لیے یہ کافی نہیں کہ قرآن وحدیث کے منتخب اقتباسات جمع کر دیے جائیں بلکہ اُن میں حسنِ ترتیب کا ہونا ضروری ہے، پھر حسنِ ترتیب ہی کا تقاضا ہے کہ بحثوں کے طول وقصر کو بھی اثر انگیزی کے پیمانے کے تابع رکھا جائے۔ نیز زبان، بیان، عنوان بندی وغیرہ سارے ہی پہلوؤں میں اپیل اور کشش ہونی چاہیے۔ یہ نہ ہو تو تالیفات ایک ہی طرح کی باتوں کی تکرار کی آئینہ دار بن جاتی ہیں۔

ہم شہزاد احمد کے قلم سے دوسرے نقشِ بہتر کی اُمید رکھتے ہیں۔

تفہیم القرآن

کے بعد

تفہیم سیرت پاک کے لئے

سیرتِ سرورِ عالم

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے قلم سے

جلد اول و دوم

دوسرا ایڈیشن طویل انتظار کے بعد طبع ہو کر آگیا ہے

جلد اوّل ——— بنیادی مباحث

جلد دوم ——— حضورؐ کی ولادت سے ہجرت تک

کتابت و طباعت کا معیار دلکش • جلد بندی نفیس

ضخامت جلد اوّل ——— ۴۶۷ صفحات • ضخامت جلد دوم ——— ۴۶۷ صفحات

دونوں جلدوں میں نقشے اور تصاویر شامل ہیں

قیمت فی سیٹ ۔ اعلیٰ ایڈیشن -/۲۰۰ روپے

قیمت فی سیٹ ۔ قسم عام -/۸۰ روپے

شائقین اور ایجنٹ حضرات اپنے آرڈر روپے کے ساتھ پیشگی قیمت روانہ فرمائیں

آرڈروں کی تعمیل ترتیب وار ہوگی

•

ادارہ ترجمان القرآن ۔ اچھرہ ۔ لاہور

رجسٹرڈ ایل نمبر ۵۳۱۳۷۰

اکتوبر ۱۹۷۹ء

INDISPENSABLE BOOK FOR

JUDGES, ADVOCATES, ULAMA AND LAW STUDENTS

THE RECONSTRUCTION OF LEGAL THOUGHT IN ISLAM

Comparative study of the Islamic and the Anglo-American Systems of Law, and refutation of the Orientalists

(Revised and Enlarged Edition)

By
Dr. RIAZUL HASAN GILANI

FOREWORD
SYED ABUL A'LA MAUDOODI

Price : Rs. 50/-

IDARA TARJUMAN AL-QURAN
ICHHRA LAHORE